مسلسل اشاعت کے 57 سال

ماہنامہ

الحق

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلّہ

683-84
ذی الحجہ/محرم الحرام
جولائی/اگست
۲۰۲۲ء

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْأُمِّیِّ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسلِیمًا

جلد نمبر.................. 57
شمارہ نمبر...... 10-11
ذی الحجہ،محرم......۴۴،۱۴۴۳
جولائی،اگست ۲۰۲۲ء

اے بی سی آڈٹ بیوروسرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بانی	باہتمام	نگران	مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب	مولانا حامد الحق حقانی	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

نائب مدیران: مولانا حبیب اللہ حقانی، مولانا محمد اسلام حقانی　منتظمین: مولانا محمد فہد، بابر حنیف

فہرست مضامین

- نقش آغاز: وفاق المدارس کے اکابر علماء کا دورۂ افغانستان۔ ”تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول“ کو کالج کا درجہ۔ ملک میں بدترین سیلاب ابتلاء، آزمائش یا قدرت کی سرزنش......مولانا راشد الحق ۲
- فقہی وعلمی مسائل اوران کے جوابات.................افادات: حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ ۸
- ماہِ محرم الحرام؛ شرعی حیثیت واحکامات اور رسومات ....مفتی محمد راشد ڈسکوی ۱۳
- حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمات، خصوصیات اور فضیلت......مولانا قاری محمد سلمان عثمانی ۲۴
- نئی نسل کی تعلیم و تربیت...ڈاکٹر ظفر الاسلام خان ۲۸
- معیشت کی تنگی اور پریشانی کا رونا اور اس کا حل..................مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی ۳۱
- مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ: مختصر سوانحی خاکہ..................جناب محمد اویس سنبھلی ۳۷
- عقائد اور نظریات کا فرق: اصولی تجزیہ..........................مولانا مفتی عبید الرحمٰن ۴۴
- کیپٹل ازم، سوشل ازم اور اسلامی نظامِ معیشت: مسئلہ حرمت سود......مولانا وسیم اکرم ۵۰
- مسلم معاشرہ اور حجاب .... جناب الطاف جمیل شاہ ۵۸
- دارالعلوم کے شب و روز .... صاحبزادہ عبدالحق ثانی ۶۱
- تعارف و تبصرہ کتب .... ادارہ ۶۳

ماہنامہ ”الحق“ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (خیبر پختونخوا) پاکستان۔ فون نمبر: 630435 -923 92+ فیکس 630922 923 92+
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com -------- موبائل نمبر: 03159898998 0333-9167789
ویب سائٹ: www.jamiahaqqania.edu.pk -------- فیس بک ایڈریس: facebook\Alhaq Akora Khattak
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/50 روپے۔ سالانہ -/500 روپے۔ بیرون ملک $ 40 امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا راشد الحق سمیع، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم مولانا راشد الحق سمیع

وفاق المدارس کے اکابر علماء کا دورۂ امارت اسلامیہ افغانستان

گزشتہ ہفتے وفاق المدارس العربیہ کے ممتاز اکابر علماء کا نمائندہ وفد شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی قیادت میں امارت اسلامیہ افغانستان کے دورہ پر تشریف لے گیا جہاں انہوں نے امارت اسلامیہ کے اعلیٰ عہدیداران، وزیراعظم، وزیر داخلہ، وزیر تعلیم اور دیگر اہم حکومتی وزرا اور افغانستان کے مشائخ وعلماء سے ملاقاتیں کیں۔ وفد کا بنیادی ہدف افغانستان کے نظام تعلیم سے آگاہی اور اس میں بہتری لانے کے لئے مفید تجاویز وغیرہ دینا تھا، اس کے ساتھ ساتھ وہاں کی نئی اسلامی حکومت کے معاشی، تعلیمی، آئینی استحکام کے سلسلے میں ان کی رہنمائی ومدد کرنا تھا کیونکہ افغانستان میں مغرب کی کٹھ پتلی قائم کردہ سابقہ حکومتوں نے نظریاتی اور تعلیمی لحاظ سے افغان عوام کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے اور انہیں اسلامی نظریے، عقیدے، افغان روایات اور ملی تشخص سے بہت دور کر دیا ہے۔ وفد نے امارت اسلامیہ کے وزیر تعلیم حضرت مولانا عبدالباقی حقانی صاحب سے ان کے دفتر میں خصوصی ملاقات کی اور متعدد تعلیمی امور پر گفت وشنید کی۔ ان تمام اہداف کے ساتھ ساتھ وہاں پر اس نمائندہ وفد نے ٹی ٹی پی کی تنظیم کے اہم افراد سے بھی ملاقات کی اور مختلف امور پر باہمی تبادلہ خیال کیا اور حکومت پاکستان کے ساتھ ٹی ٹی پی کے مذاکرات کے دور کو جاری رکھنے اور صلح وامن قائم رکھنے پر زور دیا۔ امید واثق ہے کہ علماء سے ٹی ٹی پی کی ملاقات ان شاء اللہ پاکستان میں امن وسلامتی قائم رکھنے کے لئے سودمند ثابت ہوگی۔ وفد میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم اور وفاق المدارس کے نائب صدر حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ، وفاق کے سیکرٹری جنرل حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب، جامعہ عثمانیہ پشاور کے مہتمم حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب، اشاعت التوحید والسنہ کے امیر حضرت مولانا محمد طیب طاہری صاحب، شیخ الحدیث دارالعلوم سرحد حضرت مولانا قاری احسان الحق صاحب، ناظم وفاق المدارس خیبر پختونخوا مولانا حافظ حسین احمد صاحب، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن سینیٹر جناب طلحہ محمود صاحب ودیگر شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ افغانستان کی نئی اسلامی حکومت مزید مستحکم ہو۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے ''تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول''
کو کالج کا درجہ دیا گیا

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے تقسیم پاک و ہند سے قبل 1937 میں ''انجمن تعلیم القرآن'' کے نام سے اکوڑہ خٹک گاؤں میں پرائمری سکول (مکتب) قائم کیا تھا جس کا سنگ بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دست مبارک سے رکھا گیا تھا جو کہ دارالعلوم اور سکول کے لئے بہت بڑے اعزاز اور سعادت کی بات ہے۔حضرت مولانا عبدالحقؒ خود اس وقت دارالعلوم دیوبند میں پڑھا رہے تھے لیکن اس وقت گاؤں میں کوئی موثر تعلیمی ادارہ وسکول موجود نہ تھا جس کے پیش نظر آپ نے اکوڑہ خٹک میں ابتدائی سکول بنانے کا فیصلہ کیا اور اس کی بناء وآغاز کے بعد اکوڑہ خٹک کے معزز اہل علم اور ارباب دانش کی ایک کمیٹی بنا دی گئی جو حضرت کی غیر موجودگی میں نگرانی وسرپرستی فرماتی۔اس سکول میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دی جاتی تھی، جس سے ملک وملت کے بڑے اساطین علم وادب (مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ المدنیؒ، حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ، پروفیسر افضل رضاؒ، معروف شاعر جناب اجمل خٹکؒ وغیرہ) فیض یاب ہوئے۔شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ کی حین حیات میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سکول کی تعمیر وترقی میں مثالی کردار ادا کیا اور رفتہ رفتہ اس شعبے کو ترقی دیتے ہوئے ہائی سکول کے درجہ تک پہنچا دیا۔

اب الحمدللہ احقر (مولانا راشد الحق)، مولانا سید یوسف شاہ، مفتی محمد اسماعیل (پرنسپل سکول) جناب اسد قیصر، جناب محمد ادریس خٹک، ای ڈی او نوشہرہ، ناظم محمد عالمگیر صاحبان کی محنتوں اور کوششوں سے گورنمنٹ کی منظوری کے بعد اب اسے کالج کا درجہ دے دیا گیا ہے۔یاد رہے کہ اکوڑہ خٹک کے طلباء میٹرک کے بعد نوشہرہ اور گردنواح کے کالجوں میں داخلے کے لئے جایا کرتے تھے جبکہ غریب طلباء میٹرک تک ہی محدود رہتے، اس سکول کو کالج کا درجہ مل جانے کے بعد اب اکوڑہ خٹک کے عوام اپنے ہی گھر کی دہلیز پر ہی سیکنڈری لیول کی تعلیم حاصل کرسکیں گے۔اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس شجر سایہ دار کو مزید ثمر آور اور بارآور بنادے اور اس کا فیض پوری دنیا میں پھیلے۔(آمین)

ملک میں بدترین سیلاب
ابتلاء، آزمائش یا قدرت کی سرزنش

ملک میں حالیہ سیلاب نے ہرجگہ بالخصوص بلوچستان ،سندھ اور جنوبی پنجاب کے علاقوں میں شدید تباہی مچا رکھی ہے،سینکڑوں قیمتی جانیں اس کی نذر ہوگئیں،ہزاروں مکانات زمین برد ہوگئے ہیں،فصلیں ،املاک ،مال مویشی وغیرہ کروڑوں روپوں کا نقصان ہوچکا ہے۔۲۰۱۰ء میں کے پی میں بھی اس طرح کی صورتحال پیش آئی تھی جس پر مدیر''الحق'' مولانا راشدالحق صاحب نے جولائی ۲۰۱۰ء میں خون جگر میں قلم ڈبو کر اداریہ تحریر فرمایا تھاجوکہ آج کی صورتحال پر صادق آتا ہے،وہی اداریہ نذر قارئین ہے۔(ادارہ)

کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادر ایام ہیں (اقبالؒ)

بدقسمت سرزمین پاکستان جو آئے روز مختلف بحرانوں آزمائشوں اور قدرتی آفات کی زَد میں حکمرانوں کے نامہ اعمال کے باعث وقتاً فوقتاً آتا رہتا ہے۔جس سے پاکستانی قوم کی مفلسی کے پیراہن میں دن بدن مزید چاک اور پیوند لگتے چلے جارہے ہیں،قوم جو پہلے ہی وادی تیہ میں سرگرداں اورحیراں ماری ماری پھر رہی تھی، پے درپے قدرتی آفات اور خداوند جبار و قہار کی ناراضگی کی وجہ سے اب ایسے مقام پرپہنچ گئی ہے جہاں اس کی تب وتاب، صلاحیتیں، تعمیر وترقی ،خودداری،حمیت بلکہ زندگی اور جینے کی رمق تک اس میں باقی نہیں رہی۔ ......

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

ابھی کچھ عرصہ قبل ہی خیبر پختونخوا کی سرزمین ہلاکت خیز زلزلے نے روندھ ڈالی تھی اور ایک لاکھ سے زائد افراد لقمہ اجل بن گئے تھے' ابھی تک زلزلے کے متاثرین کے زخموں کا مداوا نہیں ہوا تھا کہ پھر گزشتہ سال سوات میں نام نہاد آپریشن کی وجہ سے چالیس پچاس لاکھ افراد کو جبری منتقل کر دیا گیا اور پوری وادی سوات کو دونوں فریقوں نے تہس نہس کر دیا۔ ابھی تو سوات کے زخم بھی مندمل نہیں ہوئے تھے کہ ایک بار پھر ایسی خطرناک قدرتی افتاد نے پختونخوا بلکہ سارے پاکستان کو آناً فاناً اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کی مثال ماضی میں نہ پاکستان میں ملتی ہے نہ دنیا کے دیگر ممالک میں۔ دوسرے لفظوں میں اس سیلابِ بلا کو طوفانِ نوح ثانی کہا جا سکتا ہے۔

اقوام متحدہ کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق دو کروڑ سے زائد افراد اس عظیم سیلاب کی تباہ کاریوں سے متاثر ہوئے ہیں بلکہ ہر دسواں پاکستانی کسی نہ کسی طور سے اس سے متاثر ہوا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق دو ہزار کے لگ بھگ افراد اس سیلابِ بلا میں بہہ گئے ہیں۔ لیکن غیر سرکاری اطلاع کے مطابق یہ تعداد پچاس ہزار کے لگ بھگ بنتی ہے۔ خیبر پختونخوا جو اس سیلابِ بلا کا پہلا ہدف تھا جس میں خصوصاً چارسدہ اور ہمارا ڈسٹرکٹ نوشہرہ جس میں اکوڑہ خٹک بھی ہے جو نوشہرہ کے بعد بڑا شہر ہے، سب سے زیادہ پاکستان میں متاثر ہوئے ہیں۔ راتوں رات دریائے کابل میں ایسی طغیانی آئی کہ جب صبح لوگوں نے دیکھا اور محسوس کیا تو اپنے اردگرد سمندر کی بلاخیز موجوں کے درمیان پایا۔

سیلاب کے پانی نے گھنٹوں میں علاقے، شہر، دیہات اور لاکھوں گھروں کو آنِ واحد میں غرق و تباہ کر دیا اور لاکھوں انسان ہمیشہ کے لئے اپنے جنت نما گھروں سے خیموں میں پہنچ گئے اور سینکڑوں ماؤں سے جگر گوشوں کو زہریلے پانی نے اچک کر چھین لئے اور کئی جگہ تو خاندان کے خاندان سیلاب کی نذر ہو گئے۔ افراتفری' نفسانفسی اور خوف کا ایسا عالم تھا کہ یوں لگتا تھا کہ نفخ صور کسی نے پھونک دیا ہو اور چند لمحے میں قیامت بپا ہونے والی ہے۔

سیلاب کے نقصانات اور اس کی بربادیوں پر ہر آنکھ میں آنسوؤں اور پانی کا ایک بڑا ریلہ موجود تھا۔ لیکن افسوس کہ چشم سرکار ہمیشہ کی طرح خشک و بنجر ہی رہی۔ چار پانچ دن پختونخوا اور خصوصاً اکوڑہ خٹک اور ملحق علاقوں میں نہ حکومت کا کوئی اہل کار نظر آیا نہ افواج پاکستان کے اہل کار اور نہ انتظامیہ۔ اپنی مدد آپ خلق خدا ایک دوسرے کا مداوا کر رہی تھی۔ ادھر قوم ڈوب رہی تھی بلکہ انسانیت

غوطے کھارہی تھی اور ملک پاکستان پر ایسی اُفتاد آن پڑی تھی کہ چشم فلک نے شاید ہی طوفان نوح کے بعد اتنا خطرناک منظر پہلے کبھی دیکھا ہو۔ پھر ایسے لمحات میں پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور صدر پاکستان آصف علی زرداری یورپ کے ذاتی اور تفریحی دورے پر چل پڑے۔ (''روم'' ڈوب رہا تھا اور زرداری فرانس کے ساحلوں میں بیٹھ کر بانسری بجاتے ہوئے یہ نظارے کررہا تھا) اور فرانس اورانگلینڈ کے ذاتی محلات میں آپ عیاشیوں میں ڈوب گئے۔ شاید قدرت بھی پاکستانی عوام کو بار بار اسی لئے اپنی ابتلاء میں دھکیل رہی ہے کہ وہ گزشتہ ساٹھ سالوں سے انہی مکار وعیار اور کرپٹ بے دین سیاستدانوں کو بار بار اپنے اوپر مسلط کررہی ہے۔

قوم میں کوئی شعور اور قوت فیصلہ ساٹھ سالوں میں پیدا نہ ہوا۔ وہ بار بار ایک ہی سوراخ سے ڈسی جارہی ہے، انہیں اپنے سود وزیاں اور مستقبل سے کوئی سروکار نہیں۔ (کبھی وہ جئے بھٹو کا نعرہ لگاتی ہے تو کبھی میاں کے نعرے وجیں گے اور کبھی پختونوں کے نام نہاد حقوق کے نعروں پر ناچی ہے) اسی لئے ماہر نباض اور دانشور یہ پیشنگوئی کررہے ہیں کہ مستقبل میں بھی پاکستانی قوم مزید سو بار اسی اژدھا سے اپنے آپ کو ڈسوائے گی۔

اب جب قوم کو خود ہی اپنے مٹنے مرنے اور تباہ ہونے کا احساس نہ ہو تو کیونکر خداوند تعالیٰ بھی ان کی حالتِ زار پر توجہ فرمائے؟ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ہمارے اپنے ہی اعمال بد، اخلاق قبیحہ اور انفرادی وقومی کج شعوری نے ہی ہمیں یہ روز بد دکھایا ہے۔ اسی لئے عقل کے اندھوں' کانوں اور بہروں کیلئے ہمیشہ ٹھوکریں ہی ان کا نصیب ہوتی ہیں۔

ہم نے بحیثیت قوم ان تریسٹھ سالوں میں اپنی عظیم آزادی کی کوئی قدر نہیں کی۔ پاکستان جو قدرت کا ایک انمول تحفہ بلکہ معجزہ خداوندی تھا' اور خون صد ہزار انجم سے پیدا پاکیزہ سحر تھی' اسے ہم نے اپنے نامہ اعمال کی سیاہیوں سے ظلمت شب میں بدل دیا۔

بدقسمت پاکستان کو حکمرانوں اور عوام دونوں نے اس بیدردی کے ساتھ نوچا اور لوٹا کہ آج اقوام عالم میں ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل اور اہل نہیں رہے پھر خصوصاً گزشتہ دس سالوں سے نام نہاد دہشت گردی کی جنگ میں حکمرانوں اور فوج نے امریکہ اور مغرب کے ساتھ مل کر جو شرمناک کردار ادا کیا ہے اور اپنی ساری حمیت اور خودداری امریکی ڈالروں کے عوض فروخت

کر دی ہے۔ یہ عتاباتِ خداوندی اسی کا مظہر ہیں جس زمین پر اپنے ہی مسلمان بھائیوں کا خون دونوں طرف سے روزانہ بہایا جارہا ہو اس خون کے دھبوں کو دھونے کیلئے شاید پانی کے ایک بڑے سیلاب کی ضرورت تھی ......

میں اگر کچھ سوختہ ساماں ہو ں تو یہ روزِ سیاہ
خود دکھا یا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے

طرفہ تماشہ یہ کہ ملک وملت کو امریکی غلامی کا کوئی احساس بھی اب نہ رہا، وہ عیش و راحت اور مادی ضرورتوں کے ایسے مخمل وکمخواب میں مدہوش ہوگئے ہیں کہ ان کو ایسے عظیم سیلاب بھی نہ جگا سکتے ہیں اور نہ ہلا سکتے ہیں۔ شاید حکمران اور قوم اتنے زیادہ بہرے ہوگئے ہیں کہ ڈر یہ ہے کہ صورِ اسرافیل بھی بڑی مشکل سے ان کی غفلت، مستی، مدہوشی اور خواب خرگوشی کو توڑ سکے۔

بہرحال! دارالعلوم حقانیہ نے الحمدللہ حسب سابق اپنے مسلم بھائیوں کے لئے دارالعلوم کے تمام ہاسٹلز، اساتذہ کے کوارٹرز، مہمان خانے، درسگاہیں اور سکول کے تمام کمرے پہلے ہی دن کھول دیئے اور لٹے پٹے لوگوں کے لئے دو وقت کے کھانے، پینے کا صاف پانی اور خصوصاً جنریٹرز کی موجودگی کی وجہ سے بجلی کی سہولیات بھی ہزاروں مستحقین کے لئے وقف کردیں اور خصوصاً سیلاب کے بعد وبائی امراض کی کثرت کی وجہ سے ایک بڑا میڈیکل کیمپ بھی دارالعلوم میں قائم ہے جو روزانہ پانچ سو متاثرین کو مفت طبی معائنہ اور ادویات فراہم کررہا ہے۔

الحمدللہ آج سترہ دن ہوچکے ہیں اور ہزاروں متاثرین کو دارالعلوم نے بہ نصرت خداوندی پناہ دی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اکوڑہ خٹک کے ملحقہ علاقوں میں بھی میڈیکل کیمپس اور خشک غذائی اجناس بھیجی جارہی ہیں۔ اب سب سے زیادہ اہم کام ان علاقوں میں غریبوں کے تباہ حال گھروں کی تعمیرنو کا مرحلہ ہے جو نااہل اور کرپٹ حکومت کے بس کی بات نہیں۔

اہل خیر حضرات سے دلّی گزارش ہے کہ وہ خود ان علاقوں میں آئیں اور غریبوں کے جھونپڑوں کی تعمیرنو میں ان کا بھرپور ساتھ دیں۔ (ماہنامہ ''الحق'' جولائی ۲۰۱۰ء)

مرتب: حافظ خرم شہزاد
مدیر بزم شیخ الہندؒ گوجرانوالہ

فقہی و علمی مسائل اور ان کے جوابات

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ

(۳)

امام الاولیاء، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز کی نگرانی وسرپرستی میں شائع ہونے والے شہرۂ آفاق مجلّہ ہفت روزہ ''خدام الدین'' میں ۶۰ء کی دہائی میں ''فقہی و علمی مسائل اور ان کے جوابات'' کے عنوان سے ادارہ ''خدام الدین'' کے نام جو فقہی و علمی مسائل آتے حضرت شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ اُن میں سے بعض سوالات کے جوابات تحریر فرماتے رہے۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتا رہا، مختلف دینی وشرعی، علمی وفقہی، تاریخی وسیاسی مسائل پر مدلل انداز کے ساتھ جوابات شائع ہوتے رہے۔ ''خدام الدین'' لاہور کی قدیم فائلوں میں یہ سوالات ایک تاریخی ریکارڈ کی حیثیت رکھتے ہیں جسے ماہنامہ ''الحق'' کے مدیر اعلیٰ مولانا راشد الحق سمیع مدظلہ سے مشاورت کے بعد افادۂ عام کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا

سوال: ہمارے گاؤں 'دڑو' میں کوئی سند یافتہ عالم نہیں جس کے سامنے یہ مسئلہ رجوع کیا جائے۔ یہاں کا ایک مؤذن اذان سے پہلے درود شریف جو اس طرح ہے ''الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللّٰہ، الصلوٰۃ والسلام علیك یاحبیب اللّٰہ، الصلوٰۃ والسلام علیك یاشفیع المذنبین'' بلند آواز سے پڑھ کر بعد میں اذان شروع کر دیتا ہے، جیسے یہ درود شریف اذان کا ایک حصہ بن کر رہ گیا ہے۔ یہاں کے کچھ لوگ اس فعل کو بدعت کہتے ہیں اور بعض برکت سمجھ کر اسے اچھا سمجھتے ہیں، براہِ کرم اس بارہ میں ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں۔ (سائل: محمد بچل کوٹائی، دڑو، ٹھٹھہ، سندھ)

جواب: بذاتِ خود ان الفاظ سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تحیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ مطلوب ومحمود اور باعث ثواب ہے مگر اس خاص طریقہ سے خاص

وقت میں اذان کے ساتھ بلند آواز سے پڑھنا بلا شبہ ایسا فعل ہے جس کا ثبوت وتائید قرآن وحدیث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد، قول وعمل سے نہیں ہوتا۔اس لحاظ سے ایسا کرنا بلاشبہ بدعت ہے۔واللّٰہ اعلم (''خدام الدین''، ۱۳؍ستمبر ۶۳ء)

ایک کان میں انگلی رکھ کر اذان دینا اور اشھدان محمداً رسول اللّٰہ پر انگوٹھا چومنا

سوال: چند حضرات صرف ایک کان میں انگلی رکھ کر اذان کہتے ہیں اور اذان میں اشھدان محمداً رسول اللّٰہ کہتے ہیں، انگوٹھا چومتے ہیں، اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: یہ طریقے غیر مسنون ہیں گو اذان ہو جائے گی لیکن مسنون طریقہ دونوں کانوں میں انگلیاں رکھ کر اذان دینے کا ہے نیز صحیح روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے انگوٹھے چومنے کا ثبوت بھی نہیں۔(''خدام الدین''، ۱۳؍ستمبر ۶۳ء)

جمعہ کے خطبے کا مسنون طریقہ

سوال: ایک مولوی صاحب ہمیشہ جمعہ کے دن اذانِ ثانی (جو خطیب کے سامنے پڑھی جاتی ہے) کہلوا کر تقریر شروع فرماتے ہیں۔آدھ یا پون گھنٹہ تقریر فرمانے کے بعد مختصر سا عربی خطبہ پڑھ کر جماعت کرواتے ہیں، چونکہ دیہاتی لوگ دیر تک آتے رہتے ہیں اور اول جمعہ کی سنتیں پڑھتے رہتے ہیں۔نیز سامعین خطبے کے آداب کو بھی پورا نہیں کر سکتے، جو لوگ اذانِ ثانی کے بعد سنتیں پڑھتے ہیں ان کا عمل درست ہے یا نہیں؟ اور خطبہ کے دوران یا اذانِ ثانی اور خطبہ کے درمیان مولوی صاحب کا یہ فعل اور طریقہ کیسا ہے؟ (المستفتی: صوفی محمد رمضان، گھنگوال سرگودھا)

جواب: الجواب وباللّٰہ التوفیق۔ خطبے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اذانِ ثانی کے بعد خالص عربی زبان میں خطبہ پڑھا جائے، دورانِ خطبہ دوسری زبان میں کچھ کہنا خواہ نثر ہو یا نظم میں ثابت نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ اور عام صحابہ کرامؓ یا ائمہ مجتہدین اور علمائے سلف سے عربی میں خطبہ پڑھنا ثابت اور منقول ہے۔خطبہ کے دوران یا اذانِ ثانی کے بعد دوسری زبان میں کچھ پڑھنا منقول نہیں لہٰذا یہ طریقہ بدعت ہی ہوگا۔فقہاء نے بھی اس کو مکروہ تحریمی ہی لکھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے پڑھا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان بیٹھا کرتے اور خطبہ میں قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت سناتے۔وعظ ونصیحت کی غرض سے خلفاء راشدینؓ اور صحابہؓ وائمہ وتابعینؒ نے غیر اقوام کے سامنے اور عجمی ملکوں میں بھی غیر عربی خطبے یا عربی خطبوں میں غیر عربی

الفاظ واشعار نہیں پڑھے حالانکہ ایسی جگہوں میں ضرورت بھی تھی مگر اس لیے کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم نہ آئے ۔ وعظ وتذکیر کے لیے مناسب یہ ہے کہ اذانِ ثانی سے پہلے وعظ وتذکیر اورتقریر اپنی زبان میں کی جائے،اذانِ ثانی کے بعد سنتیں پڑھنی بھی مکروہ ہوجاتی ہیں ۔کتب فقہ میں اس کی تشریح موجود ہے۔فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم (''خدام الدین''،۱۱/اکتوبر۶۳ء)

مختلف کمپنیوں کے مشروبات استعمال کرنے کا حکم

سوال: عام بوتلیں(مختلف کمپنیوں کے مشروبات)جومختلف ناموں سے بِک رہی ہیں ۔ان کا پینا جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ ان میں ایلنس ڈال کر تیار کیا جاتا ہے اور ایلنس شراب سے تیار ہوتا ہے یعنی کوئی پھل،سنگترہ، مالٹا، لیموں وغیرہ۔آپ لیں اور ایک بوتل میں باریک کُتر کر ڈال دیں اور اس میں شراب اتنی ڈالیں کہ ایک انچہ کترے پھل سے اوپر بس زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ میں کترے یعنی کاٹے ہوئے پھلوں کی خوشبو،رنگ اور ذائقہ شراب میں آجائے گا اور کاٹے ہوئے پھلوں کا پھوگ باقی رہ جائے گا اور اب شراب کا نام ایلنس ہوگا یعنی ایلنس ہر بوتل میں بوتل بھرتے وقت چار چار چھ چھ قطرے ڈال کر بوتل بھری جاتی ہے اور ہمارے ایمانوں کو غارت کیا جاتا ہے۔(احقر غلام ربانی قاضی،مزنگ لاہور)

جواب: وباللّٰہ التوفیق: اگر ان چیزوں میں واقعی شراب کا امتزاج ہوتا ہے اور یہ یقینی طریقہ سے ثابت ہو کہ یہ ایلنس شراب سے تیار ہوتی ہے تو پھر تو اس کا استعمال قطعاً حرام ہو گا۔ خواہ ان چیزوں میں سُکر(نشہ) ہو یا نہ ہو کیونکہ خمر(شراب)اور روحِ خمر اور جزائے خمر کی حرمت سُکر پر موقوف نہیں ۔ اور اگر ان چیزوں میں شراب وغیرہ کا خلط ہونا غیر ثابت بلکہ مشکوک ہو تو اس شک کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ ان اشیاء کا استعمال جائز ہوگابقولہ تعالیٰ: وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (الآیة) وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہعلیہ وسلم اذا کان احدکم فی الصلوٰۃ فوجدحرکة فی دبرہ احدث أولم یحدث فاشکل عامه فلاینصرف حتی یسمع صوتاً او یجد ریحاً۔

مطلب یہ کہ فقہاء نے کہا ہے کہ یقینی بات شک سے زائل نہیں ہوسکتی اور اصل ہر چیز میں پاک اور حلال ہونا ہے، بنابریں جب تک یقینی طور پر ان اشیاء محرمہ کا امتزاج ثابت نہ ہو تو ان کا استعمال ازروئے شرع جائز ہوگا۔فقط واللّٰہ اعلم (''خدام الدین''،۵/اپریل۶۳ء)

دائمی مریض کا روزہ،قربانی کا وقت اور پرائز بونڈز کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۱)دائمی مریض مثلاً دمہ کا مریض تب دق اور نزلہ وزکام کا مریض جس میں روزہ رکھنے کی

طاقت نہ ہو روزہ رکھنے سے قوت مزید کم ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسے مریض کے لیے کیا حکم ہے؟

(۲) کسی ایسے گاؤں میں جہاں صرف مسلمانوں کے دو تین مکان ہوں اور وہاں نماز عیدین نہ ہوتی ہوں، اس جگہ قربانی کا جانور کس وقت ذبح کرنا چاہئے، آیا سورج طلوع ہونے سے قبل بھی کر سکتے ہیں یا اس کے بعد ہی، شرعی حکم کیا ہے؟

(۳) حکومت کے جاری کردہ (پرائز) بونڈز کو خریدنا کیسا ہے؟ بانڈز سے حاصل شدہ رقم جائز ہے یا نہیں؟ (المستفتی: محمد قاسم ناگوری، میر پور خاص)

جواب: الجواب وباللّٰہ التوفیق (۱) اگر ایک شخص مرض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو اسے اللہ تعالیٰ نے روزہ نہ رکھنے اور پھر صحیح ہونے پر اسے قضاء ادا کرنے کی سہولت دی ہے۔ ارشاد ہے: وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرة: ۱۸٤) ''پس جو شخص تم سے بیمار اور مسافر ہو پس وہ قضا شدہ روزوں کی گنتی بعد میں پوری کرلے، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں۔'' ہاں! اگر ایک شخص اپنی صحت یابی سے بالکل مایوس ہو، دائمی مرض میں مبتلا ہو۔ روزہ رکھنے کی طاقت کسی وقت بھی نہ رکھ سکتا ہو اور ماہر ڈاکٹر ومعالج کی بھی یہی رائے ہو کہ اس کا مرض کسی وقت بھی زائل نہیں ہوگا اور مریض اسی حال پر مرگیا تو نہ قضا ہے نہ فدیہ، ہاں! شیخ فانی کی طرف سے ہر ایک روزہ کے بدلے فدیہ دینا ہے۔

(۲) جہاں عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھی جاتی ہو وہاں تو قبل از نمازِ عید قربانی نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ایسے مواقع پر نمازِ عید سے فراغت حاصل کرنے کے بعد قربانی صحیح ہوسکتی ہے۔ ہاں جن مقامات میں نمازِ عید نہ ہوتی ہو بوجہ قریہ ہونے کے وہاں اتنی انتظار کرنی چاہیے کہ سورج طلوع ہو جائے، نمازِ عید تو وہاں نہیں۔

(۳) مروجہ انعامی بونڈ پر جو انعامات دیئے جاتے ہیں وہ سود ہی کی بعض اقسام میں داخل ہیں، اس لیے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ فقط واللّٰہ اعلم (''خدام الدین'' ۔۱۱/۱ اکتوبر ۶۳ء)

قبرستان کی وقف جگہ پر عمارت قائم کرنے کا حکم

سوال: ایک قدیم عرصہ سے قبرستان کی جگہ جو فی سبیل اللہ وقف ہے اور چند قبور بھی موجود ہیں مگر وقف کرنے والے کا پتہ نہیں کیا، اب اس جگہ کوئی دوسری عمارت بن سکتی ہے یا کہ نہیں؟

(المستفتی: غلام حیدر ولد حیات علی، چک سوری آزاد کشمیر)

جواب: جو قبرستان وقف قبور کے واسطے ہوا ہے، اس میں مکان یا مسجد بنانا درست نہیں کہ وہ سب زمین قبور کے واسطے وقف ہوئی ہے۔ خلافِ شرط واقف (وقف کرنے والا) کیلئے کوئی تصرف درست نہیں کذا فی العالمگیریہ (فتاویٰ رشیدیہ کامل،ص۴۰۴۔از مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) [خدام الدین۔۱۱راکتوبر۶۳ء]

غسل جنابت کے دوران کلمہ یا دعا پڑھنا

سوال: غسل جنابت یا پاخانہ کے دوران اذان سننے پر کلمہ شریف یا دعا پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

جواب: نہیں پڑھنی چاہیے، خلافِ ادب واحترام ہے۔(''خدام الدین''۔۱۳رستمبر۶۳ء)

عوام کے گھڑے ہوئے بعض توہمات

سوال: میں نے فقہی وعلمی سوالات اور ان کے جوابات پڑھے بہت زیادہ خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عطا فرمائے (آمین) حسب ذیل باتیں جو عوام میں مشہور ہیں ان پر قرآن وحدیث سے روشنی ڈالیں۔

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ رنگ کا زردہ کھانا جائز نہیں جیسا کہ زردہ چاول ہیں۔

(۲) ساون کے مہینے میں چار پائی جو بنائے اس پر سانپ آتے ہیں اور منگل کے دن چار پائی بنانا بہت گناہ ہے۔

(۳) بعض عورتیں کہتی ہیں کہ سر کے بالوں میں سوت کی بنی ہوئی چوٹی (پراندہ) لگانے سے قیامت کے دن اس کے سر پر سانپ لٹکیں گے۔

(۴) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر پانچوں انگلیاں الگ الگ ہوں اور گلاس الٹایا جائے اوپر سے پکڑ کر اٹھائیں تو گلاس کا پانی مکروہ ہوگیا اور ایسا کرنا گناہ ہے؟ (محمد یونس، گوجرانوالہ)

جواب: ان باتوں کی شرعی نقطہ نگاہ سے کوئی حیثیت نہیں۔عوام کے گھڑے ہوئے توہمات ہیں۔ سوال نمبر(۱) میں جس رنگ کا ذکر کیا گیا ہے اگر وہ رنگ صحت کے لیے مضر(نقصان دہ) ہوتو اس کا استعمال ناجائز ہوگا ورنہ نہیں۔ اسی طرح سوال نمبر (۳) میں انسانی بالوں سے بنی ہوئی چوٹی کا پہننا جائز نہیں اور سوت دھاگے وغیرہ سے بنی ہوئی جائز ہے۔(''خدام الدین''،۱۳رستمبر۶۳ء)

مفتی محمد راشد ڈسکوی
دارالافتاء جامع مسجد اشتیاق، ڈسکہ

ماہِ محرم الحرام؛ شرعی حیثیت واحکامات اور رسومات

اسلامی سال کے اس پہلے مہینے کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ہے، یہ عظمت والے مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے، تاریخی روایات کے مطابق اس مہینے میں بہت سے عظیم الشان واقعات پیش آئے، اس ماہ سے متعلق اَحکامات کے اعتبار سے صحیح اور مستند احادیث سے جو امور سامنے آتے ہیں وہ صرف چار ہیں:

ماہِ محرم الحرام میں پہلا حکم

ماہِ محرم الحرام کا سب سے پہلا حکم؛ اسلامی ماہ وسال کے دیگر مہینوں کی طرح اس مہینے کا بھی چاند دیکھنا مسنون عمل ہے، اوراس موقع پر دعا پڑھنا بھی مسنون ہے، احادیث مبارکہ میں چاند دیکھ کر پڑھی جانے والی دو دعائیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں

(۱) اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَالتَّوْفِيقِ لِمَا تُحِبُّ رَبَّنَا وَتَرْضَى، رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰه(سنن الدارمی:۱۶۸۷) ''اے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن وایمان، سلامتی واسلام اور ایسے کاموں کی توفیق دینے کے ساتھ طلوع کر جن کو تو پسند کرتا ہے اور جن سے تو راضی ہوتا ہے، اے چاند! تیرا اور ہمارا پروردگار صرف اللہ ہی ہے"

(۲) اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰه ''اے اللہ! اس چاند کو امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ ہم پر طلوع فرما، (اے چاند! میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔(جامع الترمذی، رقم الحدیث:۳۴۵۱)

ماہِ محرم الحرام میں دوسرا حکم

محرم الحرام چونکہ اشہرِ حرم میں سے ہے، یعنی: یہ مہینہ بنسبت دیگر مہینوں کے زیادہ عظمت اور فضیلت والا مہینہ ہے، جس کی وجہ سے اس مہینہ کا احترام کرنا بھی لازم ہے، اور احترام یہ ہے کہ اس مہینہ میں گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کیا جائے، اور عبادات کی

کثرت کی جائے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی تفسیر ’’معارف القرآن‘‘ (۳۷۲/۴) میں امام جصاص رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

’’امام جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان برکت والے مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے اِن مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچا لے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو اُن برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اِس لیے ان مہینوں سے فائدہ نہ اُٹھانا ایک عظیم نقصان ہے‘‘۔

تفسیر احکام القرآن للجصاص (۳۰۶/۴، دار إحیاء التراث العربي) کی عبارت یہ ہے: فَيَكُونُ تَرْكُ الظُّلْمِ وَالْقَبَائِحِ فِي هَذِهِ الشُّهُورِ وَالْمَوَاضِعِ دَاعِيًا إلى تركها في غيره، ويصير فِعْلُ الطَّاعَاتِ وَالْمُوَاظَبَةُ عَلَيْهَا فِي هَذِهِ الشُّهُورِ وَهَذِهِ الْمَوَاضِعِ الشَّرِيفَةِ دَاعِيًا إلَى فِعْلِ أَمْثَالِهَا فِي غَيْرِهَا.

ماہِ محرم الحرام میں تیسرا حکم

اس مہینہ کا تیسرا بڑا عمل؛ اس ماہِ مبارک میں مطلقاً کسی بھی دن روزہ رکھنا ہے کیونکہ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ اس مہینہ کے اندر رکھا ہوا روزہ شمار ہوتا ہے، نیز! نو اور دس محرم یا دس اور گیارہ محرم کا روزہ رکھنا اور بھی زیادہ فضیلت کی چیز ہے، چنانچہ سنن ابی داؤد کی حدیث میں وارد ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللَّهِ الْمُحَرَّمُ، وَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْمَفْرُوضَةِ صَلَاةٌ مِنَ اللَّيْلِ‘‘ (رقم الحديث: ٢٤٢٩) ’’رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل اللہ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز (تہجد) ہے۔‘‘

مذکورہ حدیث مبارکہ سے تو پورے ماہِ محرم میں کسی بھی دن روزہ رکھنے کی فضیلت معلوم ہوئی کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل روزے اس مہینے کے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ سے اس مہینے کے مخصوص ایام یعنی عاشوراء کے دن کے روزے کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے، اس دن کے روزے کا اہتمام جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرمایا کرتے تھے اور اپنی امت کو بھی اسی کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هَذَا الْيَوْمَ، يَوْمَ عَاشُورَاءَ، وَهَذَا الشَّهْرَ يَعْنِي شَهْرَ رَمَضَانَ (صحيح البخاري: ٢٠٠٦) ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وسوائے ماہ رمضان اور یوم عاشوراء کے کسی بھی فضیلت والے دن کے روزے کا اہتمام اور فکر کرتے نہیں دیکھا۔''

اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''أَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: صِيَامَ عَاشُورَاءَ، وَالْعَشْرَ، وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ''(سنن النسائی: ٢٤١٨) چار چیزیں ایسی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے، (۱) عاشوراء کا روزہ، (۲) ذی الحجہ کے پہلے عشرے کے روزے، (۳) ہر مہینے کے تین روزے، (۴) فجر سے پہلے کی دو رکعتیں۔

ایک لمبی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے روزے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا: صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ؛ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ، وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ، وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ''(صحيح مسلم، ح: ١١٦٢) ''میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ عرفہ (یعنی:۹/ذی الحجہ) کا روزہ رکھنا گزشتہ اور آنے والے سالوں کے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اور میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ عاشوراء (یعنی: ۱۰/محرم) کا روزہ گزشتہ ایک سال کے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حِينَ صَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّهُ يَوْمٌ تُعَظِّمُهُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ، قَالَ: فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ، حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلمَ''. (صحيح مسلم: ح:١١٣٤)

''جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن خود روزہ رکھا، اور حضرات صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا؛ تو اِس پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس دن کی تو یہود ونصاریٰ بھی تعظیم کرتے ہیں؟ (غالبًا یہ عرض کرنا مقصود ہوگا کہ روزہ رکھ کرتو

ہم نے بھی اس دن کی تعظیم کی ، گویا ہم ایک عمل میں ان کی مشابہت اختیار کرنے لگے) تواِس پرآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر اللہ نے چاہا تو اگلے سال ہم نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھیں گے'' (اس طرح سے مشابہت کا شبہ باقی نہیں رہے گا) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔

اسی وجہ سے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ صرف عاشوراء کا روزہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ ۹ یا ۱۱ محرم کا روزہ بھی ملا لیا جائے؛ تاکہ یہود کے ساتھ مشابہت سے بچ سکیں، اس نبوی تعلیم سے یہ بات سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں کہ کسی کارِ خیر میں بھی یہود سے مشابہت یا موافقت کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا؛ چہ جائیکہ ! دوسری عادات یا معاملات میں ان سے مشابہت کو قبول کرلیا جائے !

ماہِ محرم الحرام میں چوتھا حکم

عاشورا کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے یا کسی بھی اعتبار سے وسعت کرنا، اس کی خاص فضیلت وارد ہے ، چنانچہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابوسعید الخدری، حضرت ابوہریرہ اورحضرت جابر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے مَنْ وَسَّعَ عَلٰى عِيَالِهٖ فِيْ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ، وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ السَّنَةَ كُلَّهَا''.(شعب الإيمان للبيهقي، كتاب الصيام، صوم التاسع والعاشر: ٣٦٥/٣) کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جوشخص عاشوراء کے دن اپنے گھروالوں پرخرچ کرنے میں وسعت و فراخی کرے گا، اللہ تعالی سارا سال اس پر(رزق) میں وسعت فرمائے گا۔

اگرچہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت پرکلام ہے مگرمحدثین کی تصریحات کے مطابق ایسی روایات جومختلف طرق سے مروی ہوں، انکی مختلف اَسناد کی وجہ سے ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے؛ اس لیے اس کوفضائل میں بیان کرنے پرکوئی بڑا اشکال باقی نہیں رہتا۔امام بیہقیؒ اس مضمون کی روایات ذکرکرنے کے بعد فرماتے ہیں: هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة، فهي إذا ضم بعضها إلى بعض، اخذت قوة(شعب الإيمان للبيهقي:٣٦٥/٣) یعنی اگرچہ ان روایات کی سندوں میں ضعف ہے لیکن ان میں مجموعی طور پراتنی بات ضرور پائی جاتی ہے کہ ان اسانید کو ملا لیا جائے تو قوّت کی شکل بن جاتی ہے ۔علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب ''المقاصد الحسنۃ'' میں اسی بات کواختیار کیا ہے(المقاصد الحسنة،ح: ١١٩١، ص: ٤٩٤)

البتہ! یہ بات ضروری ہے کہ یہ عمل اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق کرنا چاہیے، لمبی چوڑی تقریبات ودعوتیں کرنا اور اپنی حیثیت سے زیادہ کا اہتمام کرنا، اور اس مقصد کے لیے قرض لینا، یا کسی قسم کے مخصوص کھانے کی تیاری کرنا، اور جو ایسا نہ کرے اُس پر طعن وتشنیع کرنا وغیرہ اُمور درست نہیں ہیں، یہ عمل زیادہ سے زیادہ مستحب درجے کا ہے، جو عمل جس درجے کا ہو اُسے اسی درجہ میں رکھنا چاہیے، ورنہ بسا اوقات؛ نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بن جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

ماہِ محرم الحرام میں ہونے والی کوتاہیاں: ماہ محرم کو سوگ کا مہینہ سمجھنا

ایک چیز جس کا رواج عام طور پر بہت زیادہ ہو چکا ہے کہ یہ مہینہ غم کا مہینہ ہے، اس مہینے میں خوشی نہیں منانی چاہیے، کیوں؟! اس لیے کہ اس مہینے میں نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ظالمانہ طور پر نہایت بے دردی سے شہید کر دیا گیا تھا، اس لیے اُن کے ساتھ اظہار ہم دردی کے لیے غم منانا، سوگ کرنا اور ہر خوشی والے کام سے گریز کرنا ضروری ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑا ایسا سانحہ تھا، جو دلوں کو ہی نہیں، روح تک کو زخمی کر دینے والا ہے لیکن ہمارے لیے تو یہ بات ہے کہ ہمیں اس بارے میں شریعت کی طرف سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟؟؟!!

اس بارے میں سب سے پہلے تو یہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا ایک قول ملاحظہ کرتے ہیں:

"فَكُلُّ مُسْلِمٍ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُحْزِنَهُ هَذَا الَّذِي وَقَعَ مِنْ قَتْلِهِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَإِنَّهُ مِنْ سَادَاتِ الْمُسْلِمِينَ وَعُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ، وَابْنُ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الَّتِي هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِهِ، وَقَدْ كَانَ عَابِدًا وَشُجَاعًا وَسَخِيًّا، وَلَكِنْ لَا يُحْسِنُ مَا يَفْعَلُهُ الشِّيعَةُ مِنْ إِظْهَارِ الْجَزَعِ وَالْحُزْنِ الَّذِي لَعَلَّ أَكْثَرَهُ تَصَنُّعٌ وَرِيَاءٌ، وَقَدْ كَانَ أَبُوهُ أَفْضَلَ مِنْهُ، وَهُمْ لَا يَتَّخِذُونَ مَقْتَلَهُ مَأْتَمًا كَيَوْمِ مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ، فَإِنَّ أَبَاهُ قُتِلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي السَّابِعَ عَشَرَ مِنْ رَمَضَانَ سَنَةَ أَرْبَعِينَ، وَكَذَلِكَ عُثْمَانُ كَانَ أَفْضَلَ مِنْ عَلِيٍّ، عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، وَقَدْ قُتِلَ وَهُوَ مَحْصُورٌ فِي دَارِهِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ مِنْ شَهْرِ ذِي الْحِجَّةِ سَنَةَ سِتٍّ وَثَلَاثِينَ، وَقَدْ ذُبِحَ مِنَ الْوَرِيدِ إِلَى الْوَرِيدِ، وَلَمْ يَتَّخِذِ النَّاسُ يَوْمَ مَقْتَلِهِ مَأْتَمًا، وَكَذَلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، قُتِلَ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي

الْمِحْرَابِ صَلَاةَ الْفَجْرِ، وَهُوَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، وَلَمْ يَتَّخِذِ النَّاسُ يَوْمَ قَتْلِهِ مَأْتَمًا، وَكَذٰلِكَ الصِّدِّيقُ كَانَ أَفْضَلَ مِنْهُ، وَلَمْ يَتَّخِذِ النَّاسُ يَوْمَ وَفَاتِهِ مَأْتَمًا، وَرَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَقَدْ قَبَضَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ كَمَا مَاتَ الْأَنْبِيَاءُ قَبْلَهُ، وَلَمْ يَتَّخِذْ أَحَدٌ يَوْمَ مَوْتِهِ مَأْتَمًا، يَفْعَلُونَ فِيهِ مَا يَفْعَلُهُ هَؤُلَاءِ الْجَهَلَةُ مِنَ الرَّافِضَةِ يَوْمَ مَصْرَعِ الْحُسَيْنِ، وَلَا ذَكَرَ أَحَدٌ أَنَّهُ ظَهَرَ يَوْمَ مَوْتِهِمْ وَقَبْلَهُمْ شَيْءٌ مِمَّا ادَّعَاهُ هَؤُلَاءِ يَوْمَ مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ مِنَ الْأُمُورِ الْمُتَقَدِّمَةِ، مِثْلَ كُسُوفِ الشَّمْسِ وَالْحُمْرَةِ الَّتِي تَطْلُعُ فِي السَّمَاءِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ(البداية والنهاية، سنة إحدى وستين، فصل: في الإخبار بمقتل الحسين بن علي رضي الله عنه، ۵۷۹/۱۱ ،دار الهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

''ہر مسلمان کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ غمگین کر دے، اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے سردار اور اہلِ علم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے افضل لختِ جگر کے بیٹے، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے، آپ عبادت کرنے والے، بڑے بہادر اور بہت زیادہ سخی تھے، لیکن آپ کی شہادت پر (شیعہ) لوگ جس انداز سے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں، وہ کسی صورت میں مناسب نہیں ہے بلکہ ان کی یہ حرکات بناوٹی اور ریاکاری سے تعلق رکھتی ہیں، آپ کے والد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) آپ سے زیادہ افضل تھے، اُن کو چالیس ہجری، سترہ رمضان، جمعہ کے دن، جب کہ وہ اپنے گھر سے نمازِ فجر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، شہید کر دیا لیکن لوگ اُن کے قتل کے دن کو اِس طرح ماتم نہیں کرتے جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے افضل ہیں، جنہیں چھتیس ہجری، ایام تشریق میں اُنہی کے گھر میں شہید کر دیا گیا، لیکن لوگ اُن کے قتل کے دن کو بھی اِس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے افضل ہیں، جن کو مسجد کے محراب میں، نماز فجر کی حالت میں، جب کہ وہ قراءت کر رہے تھے، شہید کر دیا گیا لیکن شیعہ ان کے قتل کے دن کو اس طرح ماتم نہیں کرتے جس طرح

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ان سے افضل تھے لیکن لوگ اُن کی وفات کے دن اِس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا وآخرت میں بنی آدم کے سردار ہیں، ان کی وفات کے دن بھی یہ لوگ اُس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح یہ جاہل رافضی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن کرتے ہیں''۔

اس قول کو ملاحظہ کرنے سے روافض کے ڈرامے اور ڈھونگ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، اس کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ ''شہادت'' کا مرتبہ خوشی کا ہے یا غم اور سوگ کا ؟ تعلیماتِ نبویہ علی صاحبہا الف تحیہ سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ شہادت کا حصول تو بے انتہا سعادت کی بات ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

یہی وجہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مستقل حصولِ شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے، ''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُولِكَ صلى الله عليه وسلم'' (صحيح البخاري: ح۱۸۹۰) ''اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا کر اور میری موت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مقدر کر دے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہیں بارگاہِ رسالت سے سیف اللہ کا خطاب ملا تھا، وہ ساری زندگی شہادت کے حصول کی تڑپ لیے ہوئے قتال فی سبیل اللہ میں مصروف رہے لیکن اللہ کی شان انہیں شہادت نہ مل سکی تو جب ان کی وفات کا وقت آیا تو پھوٹ پھوٹ کے رو پڑے کہ میں آج بستر پر پڑا ہوا اونٹ کے مرنے کی طرح اپنی موت کا منتظر ہوں۔ لَمَّا حَضَرَتْ خَالِدًا الْوَفَاةُ بَكٰى ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ حَضَرْتُ كَذَا وَكَذَا زَحْفًا، وَمَا فِيْ جَسَدِيْ شِبْرٌ إِلَّا وَفِيهِ ضَرْبَةُ سَيْفٍ، أَوْ طَعْنَةٌ بِرُمْحٍ، أَوْ رَمْيَةٌ بِسَهْمٍ، وَهَا أَنَا أَمُوتُ عَلٰى فِرَاشِيْ حَتْفَ أَنْفِيْ كَمَا يَمُوتُ الْبَعِيرُ، فَلَا نَامَتْ أَعْيُنُ الْجُبَنَاءِ.(البدايه والنهايه، سنة إحدى وعشرين، ذكر من توفى إحدى وعشرين: ۱۱۴/۷، مكتبة المعارف، بيروت)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق شہادت

شہادت تو ایسی عظیم سعادت اور دولت ہے، جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے لیے کی اور امت کو بھی اس کی ترغیب دی، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، لَوَدِدْتُ أَنِّيْ أَغْزُو فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَل''(صحيح مسلم: ١٦٧٦)

''میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں پھر شہید کر دیا جاؤں (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں''۔

سال کے ہر مہینے میں شہید یا فوت ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جھلک

الغرض! یہاں صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ شہادت تو ایسی نعمت ہے کہ جس کے حصول کی شدت سے تمنا کی جاتی تھی، یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر افسوس اور غم منایا جائے، اگر اس عمل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر غور کر لیا جائے کہ پورے سال کا ایسا کون سا مہینہ یا دن ہے، جس میں کسی نہ کسی صحابیِ رسول کی شہادت یا وفات نہ ہوئی ہو؟! کتب تاریخ اور سیر کو دیکھ لیا جائے، ہر دن میں کسی نہ کسی کی شہادت یا وفات مل جائے گی، مثلاً:

صفر: ۳ھ میں مقام رجیع میں ۸ر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا۔ صفر: ۴ھ میں بئر معونہ کے واقعے میں کئی اصحاب صفہ کو شہید کیا گیا۔ صفر: ۵۲ھ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الاول: ۱۸ھ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الاول: ۲۰ھ میں ام المؤمنین حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ربیع الثانی: ۲۱ھ میں مقام نہاوند میں ایرانی کفار سے لڑائی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو لاکھ ایرانیوں کے مقابلے کے لیے چالیس ہزار مسلمانوں کی فوج بھیجی، جس میں تقریباً تین ہزار مسلمان شہید ہوئے اور کفار کے تقریباً ایک لاکھ افراد واصل جہنم ہوئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ربیع الثانی: ۲۱ھ میں مشہور صحابی رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الثانی: ۵۰ھ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ جمادی الاولی: ۸ھ میں حضرت سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور اسی سال، اسی مہینے حضرت عبادہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ جمادی الاولی: ۸ھ میں ہی غزوہ موتہ ہوا، جس میں کئی جلیل القدر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ جمادی الاخری: ۴ھ میں حضرت ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ جمادی الاخری: ۱۳ھ میں صحابی رسول حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ جمادی الاخری: ۲۱ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ جمادی

الاخری: ۵۰ ھ میں حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: ۱۵ ھ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: ۲۰ ھ میں حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: ۴۵ ھ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ شعبان: ۹ ھ میں بنتِ رسول حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ شعبان: ۵۰ ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ شعبان: ۹۳ ھ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رمضان: ۱۰ ھ نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان: ۲ ھ میں بنت رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان: ۱۱ ھ میں بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ رمضان: ۳۲ ھ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ شوال: ۳ ھ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ شوال: ۳۸ ھ میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ذوالقعدہ: ۶۲ ھ میں مشہور تابعی حضرت مسلمہ بن مخلد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ ذوالقعدہ: ۱۰۶ ھ میں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ ذوالحجہ: ۵ ھ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ذوالحجہ: ۶ ھ میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ذوالحجہ: ۱۲ ھ میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

اس پوری تاریخ کا مقتضا تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر دن کو اظہارِ غم اور افسوس بنایا جائے اور شادی وغیرہ ہر خوشی اور اظہار خوشی سے گریز کیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی بھی ذی شعور اس کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ نیز! اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی تو کئی عظیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شخصیات کو شہادت ملی لیکن کیا ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی شہادت کے دن کو بطور یادگار کے منایا نہیں بالکل نہیں! تو پھر کیا ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غم محسوس کرنے والے ہیں؟ خدارا! ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اس قسم کی شیطانی اور گمراہ کن رسومات واعمال سے بچنے کی مکمل کوشش کریں۔

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اس ماہِ مبارک میں سوگ کرنا بالکلیہ بے اصل اور دین کے نام پر دین میں زیادتی ہے، جس کا ترک لازم ہے لہٰذا جب سوگ جائز نہیں ہے تو پھر شرعاً اس مہینے میں شادی کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہ الزہراءؓ سے نکاح (ایک قول کے مطابق) اسی ماہِ مبارک میں ہوا، (ملاحظہ ہو:

تاريخ مدينة الدمشق لابن عساكر، باب ذكر بنيه وبناته عليه الصلاة والسلام وأزواجه: ١٢٨/٣، دار الفكر، تاريخ الرسل والملوك للطبري، ذكر ما كان من الأمور في السنة الثانية، غزوة ذات العشيرة، ٤١٠/٢، دار المعارف بمصر)

محرم الحرام کے دنوں میں فیس بک اور واٹس ایپ وغیرہ سوشل میڈیا پر ایک میسیج بہت زیادہ گردش کرتا ہے، جس میں تین شخصیات کے نکاح کا محرم الحرام میں ہونا مذکور ہوتا ہے:

(۱) ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے۔

(۳) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔

تو اس میسیج کا تحقیقی رُخ یہ ہے کہ یہ میسیج درست نہیں ہے، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح محرم میں ہونا تو درست ہے، بقیہ شخصیات کا نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سنہ/۲ ہجری میں ہوا؛ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کون سا تھا تو اس میں چار اقوال ہیں، (۱) محرم، (۲) صفر، (۳) رجب، اور (۴) رمضان۔ان میں سے ابن عساکر اور طبری رحمہما اللہ نے محرم الحرام میں نکاح ہونے کی روایت کو ترجیح دی ہے اور بعض دیگر حضرات نے ماہِ صفر میں نکاح ہونے کو ترجیح دی ہے۔ان کے علاوہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ۷/ہجری، ماہ صفر میں ہوا۔اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ۳/ ہجری، ماہِ ربیع الاول میں ہوا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے مدعیٰ کے ثبوت کے لیے غیر محقق اُمور کو پیش کرنا درست طرزِ عمل نہیں ہے، معتبر اور محقق بات ہی پیش کرنا مفید ثابت ہوتا ہے۔اس مہینے میں شادی نہ ہونے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس مہینے میں نحوست ہے جب کہ شرعاً یہ بات بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے، بلکہ یہ عقیدہ یا ذہن رکھنا ہی گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی دن یا زمانے میں کسی قسم کی نحوست نہیں رکھی گئی۔ اکابرین مفتیانِ عظام کے فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں، ذیل میں فتاوی رحیمیہ سے اسی مسئلے کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

ماہ محرم میں سوگ سے متعلق فتاوی رحیمیہ کا ایک اہم فتویٰ

الجواب: ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش واقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ

دس دن سوگ منانا ضروری ہے، دوسرا کسی کی وفات پر تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں ،حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر إن تحد على ميت فوق ثلٰث ليال إلا علىٰ زوج أربعة أشهر وعشراً ''جوعورت خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے مگر شوہر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے'' (صحيح البخاري، باب: تحد المتوفى عنها أربعة أشهر وعشراً إلخ: ٢/ ٨٠٣)، (صحيح مسلم، باب: وجوب الإحداد في عدة الوفات، إلخ، ١/٤٩٦)، (مشكوٰة، باب العدة، الفصل الأول، ص: ٢٨٨)

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنے کو نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام میں جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا گیا ہو، اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ روافض اور شیعہ سے پوری احتیاط برتیں، ان کی رسومات سے علیحدہ رہیں، ان میں شرکت حرام ہے۔

''مالا بدمنہ'' میں ہے: ''مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است'' یعنی مسلمانوں کو کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔ (ص:۱۳۱)

ماہ مبارک میں شادی وغیرہ کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی میں اختلاف بھی نہیں ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ پڑھیے:

(سوال) بعض سنی جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر میں روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔۲: ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔۳: ماہِ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے، اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ (احکام شریعت، ص: ۹۰، ج:۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمیہ، کتاب البدعۃ والسنۃ، ماہ محرم میں شادی کرے یا نہیں؟ ۲/۱۱۵، دارالاشاعت، کراچی) اسی طرح فتاوی حقانیہ (کتاب البدعۃ والرسوم، محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم؟ ۲/۹۶، جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک) میں بھی موجود ہے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رکھے، آمین۔

مولانا قاری محمد سلمان عثمانی*

امیر المومنین، خلیفہ ثانی، پیکر عدل وانصاف
حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ کی خدمات، خصوصیات اور فضیلت

امیر المومنین، خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر فاروقؓ قریباً تیس برس کی عمر میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے، قبول اسلام سے پہلے آپ عرب میں علم الانساب کے عالم، عربی ادب کے ماہر، شعر وسخن میں یکتا تصور کیے جاتے تھے۔ سفارت میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ آپؓ عرب کے سفیر اور عرب سرداروں کے مشیر کی حیثیت سے مشہور تھے۔ جب آپ مسلمان ہونے کیلئے حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ سے چند قدم آگے چل کر معانقہ فرمایا اور آپؓ کے سینے پر تین مرتبہ ہاتھ پھیر کر دعا دی کہ ''اے اللہ! ان کے سینہ سے کینہ اور عداوت نکال دے اور ان کے سینہ کو ایمان سے بھر دے''۔ آپؓ کے اسلام لانے پر جبرائیل علیہ السلام مبارکباد دینے کیلئے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت آسمان والے ایک دوسرے کو جناب عمرؓ کے اسلام لانے کی خوشخبری سنا رہے ہیں۔'' قبول اسلام کے بعد آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ''الفاروق'' کا لقب پایا۔

آپؓ کی زندگی تاریخ میں پوری تابانی سے جگمگا رہی ہے، تمام صحابہ کرامؓ مریدین نبوت تھے، مگر حضرت عمر فاروقؓ مراد نبوت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم نے انہیں عزت وعظمت کے اس مقام پر پہنچا دیا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپؓ قوی الجثہ، طویل قامت اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ کشتی، پہلوانی، تیراندازی، شہ سواری اور سپہ گری میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، فنون حرب میں مہارت، انتہائی ذہین اور اعلیٰ پیمانے کے مدبر تھے اور قریش کے ان سترہ افراد میں سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آپؓ کا شمار کاتبان وحی میں بھی ہوتا ہے۔

---

* ناظم مرکز ختم نبوت جامعہ عثمانیہ، ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر

حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کی حیثیت مضبوط ہوگئی ،انہوں نے مشرکین مکہ سے کہا کہ اگر مسلمانوں کو مسجد الحرام میں نماز پڑھنے سے روکا گیا تو روکنے والوں کی گردنیں اڑا دی جائیں گی ۔چنانچہ آپؓ کے رعب ودبدبہ کی وجہ سے کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوسکی ،غزوہ بدر میں اپنے ماموں عاصی بن ہشام کو اپنی تلوار سے قتل کرنے میں پس پیش نہ کی اور یہ تجویز پیش کی کہ ہر مسلمان خود اپنی تلوار سے اپنے قریبی مشرک رشتہ دار کو قتل کرے اور آپؓ کی اس تجویز کی تائید وحی الٰہی نے بھی کی ۔غزوہ احد میں بھی آپؓ نے شجاعت اور جوانمردی کے جوہر دکھائے ، امور ریاست میں بھی اکثر اوقات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشوروں پر عمل فرمایا کرتے تھے ،غزوہ خیبر میں جو زمین سیدنا عمر فاروقؓ کے حصہ میں آئی وہ آپؓ نے اسی وقت اللہ کی راہ میں وقف کردی تھی اور یہ اسلامی تاریخ کا پہلا وقف تھا ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہاء درجے کی محبت وعقیدت رکھتے تھے ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر آپؓ نے بیعت کی ،دورِ صدیقیؓ میں مجلس شوریٰ کے اہم ترین رکن ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا اسلام قبول کرنے کے بعد تمام تر تفاخر خاندانی اور غرور ونخوت جاتی رہی ،طبیعت میں انکساری ،اسلام سے محبت، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ،اسلام کی اشاعت کی جدوجہد اور کفر وشرک کے خاتمے کیلئے ہر وقت مصروف رہتے ۔

آپؓ زاہد، عادل، فقیہ، سیاستدان اور مدبر ہونے کے ساتھ ساتھ گوناگوں اوصاف حمیدہ کا حسین وجمیل امتزاج تھے ۔خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد ۱۱ ہجری میں مسلمانوں نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تھی ۔انہوں نے خلافت کے بارگراں کو قبول کرکے تاریخ اسلام میں سنہری دور کا اضافہ کیا ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اسلامی نظام قائم کردیا تھا، سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں اسلامی حکومت کی حدود شام ،مصر اور ایران تک پھیل گئیں، اور آپؓ کی حکومت دنیا کی سب سے بڑی متمدن حکومت کہلانے لگی ،صحابہ کرامؓ کی مشاورت سے ایسا نظام قائم کیا جو ایک طرف عقل وحکمت کے تمام تقاضے پورے کرتا تھا اور دوسری طرف اجماع امت کی وجہ سے اس نظام کو عوام کا بھرپور اعتماد حاصل تھا ۔آپؓ نے شوریٰ کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ بنایا ۔بیت المال کو لوگوں کا مال سمجھا ،اسلامی سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کرکے نظم ونسق کو بہترین کیا ،گورنروں پر واضح کیا کہ اگر کسی طاقتور نے کسی کمزور کو ہڑپ کرنے کی کوشش کی تو

اس کی باز پرس گورنر سے ہوگی ، ان کیلئے ترکی گھوڑے پر سوار ہونا ، باریک لباس پہننا ، چھنا ہوا آٹا کھانا اور دربان رکھنا منع تھا۔تقرری سے پہلے گورنر اور عامل کے اثاثوں کی پڑتال کی جاتی ،اضافہ پایا جاتا تو اسے ضبط کر کے بیت المال میں جمع کروادیا جاتا تھا،زکوٰۃ ،عشر،خراج ذرائع آمدن تھے۔ شاہی خاندانوں کی جاگیریں،لاوارث جائیدادیں باغیوں اور مفروروں کی ضبط شدہ املاک بھی بیت المال کی ملکیت سمجھی جاتی تھیں ۔آپؓ نے زراعت کے میدان میں ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا، اراضی کی ازسر نو پیائش کرا کے پیداوار میں اضافہ کرایا ،مالیہ کی وصولی کے علاوہ جاگیرداری نظام ختم کر کے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کردی ۔آب پاشی کا باقاعدہ نظام قائم کیا،عدالتوں کے دروازے ہر عام وخاص کیلئے کھلے رہتے ،مقدمہ دائر کرنے کی کوئی فیس ہوتی نہ وکیل کی ضرورت رہتی ،افتاء کا شعبہ بھی قائم کیا گیا ،ناپ تول ،قیمتوں کا تعین ،شراب نوشی کی روک تھام ،انسداد بے رحمی حیوانات ، راستوں اور گزرگاہوں کی حفاظت قافلوں کی سلامتی وغیرہ کے امور محکمہ پولیس کے سپرد تھے۔

باقاعدہ عسکری نظام قائم کیا گیا اور جوانوں کی تنخواہیں مقرر کی گئیں ۔ان کے بچوں کے وظائف مقرر کیے گئے ، چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں اور پنشن کا نظام قائم کیا گیا۔غیر مسلموں کو جان ومال کی حفاظت دے کر انہیں مکمل مذہبی آزادی دی گئی ۔عوام کی فلاح وبہبود اور آسائش کے لیے سڑکیں ، پل اور سرائے تعمیر کرائی گئیں۔

تمام زمانہ خلافت میں خیمہ کبھی آپ کے پاس نہ رہا،سفر میں منزل پر پہنچ کر دھوپ یا بارش سے بچنے کیلئے کسی درخت پر کپڑا تان کر گزارہ کرلیتے ،اپنے زمانہ خلافت میں تین عمرے کیے ،اپنی مملکت میں ہر ایک کا خیال رکھتے تھے،حتیٰ کہ جن عورتوں کے خاوند جہاد کیلئے گئے ہوئے تھے ان کے دروازوں پر جا کر انہیں سلام پیش کرتے ،ان کیلئے سودا سلف خرید کرلاتے اور جن کے پاس پیسہ نہ ہوتا انہیں اپنی جیب سے خرید کردیتے ۔آپؓ کے بہت سے اعزازات میں سے ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ آپؓ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہیں امیر المومنین کے لقب سے پکارا گیا ،۱۷ہجری میں مسجد نبوی اور مسجد حرام میں توسیع کی اور مسجد نبوی کے لکڑی کے ستون نکال کر اینٹ کے ستون لگا دیئے زمین پر موجود انسانوں کے علاوہ بھی اگر آپؓ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے مانا ،قبرستان میں مردوں کو مخاطب کیا تو انہوں نے جواب دیا ،دریا کو خط لکھا تو اس نے عمل کیا ،اگر کہیں سے آگ نکلی جو لوگوں کو نقصان پہنچا رہی تھی تو اس کو اندر دھکیلنے کے لئے اپنی چادر بھیجی ،زلزلے کی وجہ سے زمین ہلی تو اسے کوڑا رسید

کیا اورآج تک مدینہ میں دوبارہ زلزلہ نہیں آیا اور جب بارش کو دعا کے زریعے بلایا تو پوری خوشی اور آب وتاب کے ساتھ بارش آپؓ کی طرف برستی ہوئی آئی ۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ دور سے آتے ہوئے دکھائی دیئے انہیں دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''یہ انبیاء اور رسولوں کے بعد باقی تمام جنتیوں کے سردار ہیں''۔

سال ہجری کے آغاز سے پہلے تعیین واقعات کیلئے عام الفیل اور رومیوں کے سال سے کام لیا جاتا تھا۔۱۶ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے سال ہجری کی ترویج فرمائی ،قرآن کریم کی مقدس تعلیم اور اس کو پوری دنیا شام ،ایران ،ایشیائے کوچک اور چین کی مغربی سرحدوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا جس کے نتیجے میں انتشار سے اتحاد، جہالت سے علم ،وحشت سے تہذیب، مادیت سے روحانیت ،بت پرستی سے خدا پرستی، بدکاری سے پرہیز گاری اور آمریت سے شورٰیت کا بول بولا ہوا۔آپؓ کو آدھی دنیا کا حکمران ہونے کا شرف حاصل تھا مگر اپنی حفاظت کے لئے کبھی ذاتی محافظ رکھنا پسند نہ فرمایا۔مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام فیروز نے مالک کے خلاف شکایت کی جو تفتیش کے بعد غلط ثابت ہوئی ،فیصلہ جب اس کے حق میں نہ ہوا تو وہ غصہ میں چلا گیا اور اگلے دن مسجد نبویؐ میں جب حضرت عمر فاروقؓ نماز فجر کی امامت کررہے تھے تو خنجر سے وار کرکے آپؓ کو سخت زخمی کردیا۔آپؓ زخموں کی تاب نہ لاسکے اور یکم محرم الحرام ۲۴ ہجری کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا، جب آپ کا جنازہ لایا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے پہلے سے ہی خیال تھا کہ آپ دونوں کا مدفون بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا کیونکہ میں سنا کرتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر بات میں اپنے ذکر کے ساتھ آپ دونوں کا ذکر کیا کرتے تھے اور میں اللہ سے دعا مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ جیسا نامہ اعمال عمرؓ کا ہے میرا نامہ اعمال بھی ایسا ہو۔''

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان
فرزند مولانا وحید الدین خان مرحوم

نئی نسل کی تعلیم وتربیت

ہر پرانی نسل کا فرض ہے کہ اگلی نسل کو اس حال میں تیار کرے اور چھوڑے کہ وہ ایک طرف تو معاشی حالات میں پرانی نسل سے بہتر حال میں ہو تو دوسری طرف پرانی نسل کے آداب واخلاق اور دین سے تعلق سے بھی نئی نسل پوری طرح بہرہ مند ہو۔ اگر نئی نسل صرف معاشی اعتبار سے ترقی کرتی ہے اور اس کا ناطہ پرانی تہذیب اور اسلامی قدروں سے کٹ جاتا ہے تو کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی۔ ایک عمدہ نئی نسل تیار کرنے میں معاشرے کا، اسکول کا اور گھر کا بڑا دخل ہے، ان میں سے کوئی بھی کڑی ٹوٹ جائے تو بڑا اقل واقع ہوگا، معاشرہ بگڑ رہا ہے۔ باہر کے اثرات اور نئی ٹیکنالوجی پر گرفت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر ہمارا زیادہ اختیار نہیں ہے۔

بیرونی اثرات سے اپنے آپ کو کچھ نہ کچھ محفوظ رکھنے کے لئے ہم کم از کم اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرائیں جہاں کے ماحول کے بارے میں ہم کو قدرے اطمینان ہو لیکن افسوس ہے کہ انگلش میڈیم کی خاطر ہم اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں کافی خرچہ کر کے داخل کراتے ہیں جہاں ہماری اقدار کا وجود نہیں ہوتا ہے۔ حکومت کا بھی اس اخلاقی ذمے داری میں بڑا رول ہے لیکن ہماری حکومتیں اس ذمہ داری سے پوری طرح غافل رہی ہیں، ان کو عوام محض ایک ووٹر نظر آتے ہیں، ہمارے ملک میں کسی حکومت نے ایک اچھا ڑے دار اور با اخلاق انسان اور شہری بنانے کی کوشش نہیں کی۔

موجودہ حکومت تو انسانوں میں جو فطری اچھائیاں ہوتی ہیں ان کو بھی بر باد کرنے اور ان میں نفرت کا بیج ہونے کا کام پوری مستعدی سے کر رہی ہے۔ ایسی حالت میں والدین اور خاندانوں کی ذمے داری اور بڑھ جاتی ہے۔ ان تینوں عناصر یعنی معاشرہ سکول اور گھر میں سے ہم کو اپنے گھر پر پورا تصرف حاصل ہے۔ ہم گھر ایسے بنائیں جہاں خاندان کے افراد، والدین، بیوی، شوہر اور بچوں کے درمیان محبت اور احترام کا معاملہ اللہ پاک نے انسانی جوڑوں کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ اللہ

پاک کی عظمت کی نشانی ہے کہ انہوں نے تمہارے لئے ایسے جوڑے بنائے ہیں جو ایک دوسرے کے لئے سکون کا باعث ہوتے ہیں، تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی ہے (الروم:۳۰)

یہ رشتہ ہمارے لئے گھروں میں بنائے رکھنا ضروری ہے ورنہ گھر ایک جہنم بن جائے گا اور ایسے گھروں سے نئی نسل کے جو افراد نکلیں گے ان میں وہ خصلتیں نہیں ہوگی جو ہم اپنے افراد میں چاہتے ہیں، ایک خوش وخرم اور ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے والے گھر سے بااعتماد لوگ پیدا ہوتے ہیں جو سوسائٹی کے لئے رحمت ہوتے ہیں جبکہ ایک جھگڑالو گھر سے نکلنے والی نئی نسل معاشرے کے لئے وبال جان ہوتی ہے۔ اگر والدین کے آپس میں تعلقات اچھے نہیں ہوتے ہیں تو اس کا اثر بچوں پر بہت خراب پڑتا ہے۔

بچوں کے تئیں بچپن سے ہی ہماری ذمے داری ہے کہ ان کے اندر اسلام، اللہ پاک، رسول اللہ، عامۃ المسلمین اور انسانیت بلکہ جانوروں سے بھی محبت کا جذبہ ڈالیں اور سب کی خدمت اور خیر خواہی کے جذبے سے ان کے دلوں کو معمور کریں، اسلامی اور ملکی قانون کا احترام ان کو سکھائیں، بڑوں کا احترام ان کو سکھائیں، اپنے سے چھوٹوں سے پیار ومحبت کا جذبہ خود ان بچوں سے عمدہ معاملہ کر کے ان کو سکھائیں، بچے اگر غلط کردیں تو محبت سے ان کو ٹوکیں اور صحیح کام کی تلقین کردیں اور اس کے لئے ان کو انعام دیں اور ان کے اچھے اعمال کو دوسروں کے سامنے سراہیں جس سے ان میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور ان میں مزید اچھے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ والدین خود بھی ان نیک کاموں پر عمل پیرا ہوں جن کی وہ تلقین کر رہے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو بچوں میں نفاق پیدا ہوگا اور وہ اچھے کام صرف اسی وقت کریں گے جب والدین یا کوئی بڑا ان کو دیکھ رہا ہوگا ورنہ ان کا رویہ دوسرا ہوگا۔

تربیت میں سزا کا بھی مقام ہے لیکن سزا انتقام کے لئے یا اپنے غصے و ناکامی کو اتارنے کے لئے نہ ہو بلکہ صرف بچے کی اصلاح کے لئے ہو اور اس قدر ہو جس سے اس کی اصلاح ہوجائے۔ بعض والدین غصے میں پاگل ہوجاتے ہیں اور بچوں کی شدید سرزنش کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی ان کو جسمانی نقصان بھی پہنچادیتے ہیں۔ ایسے بچے اپنے والدین سے محبت نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے صرف ڈرتے ہیں۔ سزا کا اثر بچوں میں انتقام کی آگ جلاتا ہے اور جیسے ہی وہ انتقام لینے کی پوزیشن میں آجاتے ہیں، وہ اپنے خاندان اور سوسائٹی سے انتقام لیتے ہیں اور اس طرح اپنا ہی نقصان کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی جیل بھی پہنچ جاتے ہیں۔ میرے والد (مولانا وحید الدین خان) بھی اسی طرح کے تھے۔

انہیں اپنے غصے پر قابو نہیں تھا، ان کی سزا برائے اصلاح کے بجائے سزا برائے انتظام ہوتی تھی۔ بچپن میں انہوں نے چھوٹی چھوٹی باتوں پر مجھے بری طرح زدوکوب کیا۔ اگر میں نے بچپن میں اپنے نانا (حامد حسن علوی) کی شفقت و محبت نہ دیکھی ہوتی تو شاید میں آج وہ نہ ہوتا جو ہوں۔ ہمارے ایک رشتے دار اپنے بچوں پر اتنے سخت تھے کہ ان کا بڑا لڑکا اپنی امی سے کہتا تھا کہ میں بڑا ہو کر ابو کو قتل کر دوں گا۔ مذکورہ رشتے دار اللہ کو پیارے ہو گئے اور اللہ کا شکر ہے کہ ایسی ناخوشگوار صورت حال پیش نہیں آئی۔

اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کے ساتھ بچپن ہی سے بچوں کو نماز، روزے اور صدقات وغیرہ کا عادی بنانا چاہئے تاکہ بڑے ہوتے ہوتے یہ چیزیں ان کی شخصیت کا حصہ بن جائیں۔ بچوں کی جسمانی تربیت بھی ان کی عمومی تربیت کا حصہ ہے۔ ان کو کھیلنے کودنے کا موقع دیا اور اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع دینا بھی بہت اہم ہے تاکہ ان کی جسمانی اور جذباتی پرورش صحیح طریقہ سے ہو اور وہ اپنے ہم پلہ لوگوں کے ساتھ بات چیت اور معاملہ کرنے کے آداب سیکھ جائیں۔

بچپن سے ہی بچوں کو قرآن پاک پڑھوانے اور کچھ چھوٹی سورتوں کو حفظ کرانے کی ذمے داری بھی والدین کی ہے۔ اگر بچے مدرسے میں پڑھ رہے ہیں تو والدین کا فرض ہے کہ ان کو جدید علوم بھی پڑھوائیں، چاہے ٹیوشن دلا کر یا مدرسے سے چند سال کے بعد نکال کر اسکول میں داخل کرائیں تاکہ بچے دنیا میں سر اٹھا کر جی سکیں۔ ہم نے کتنے ہی مدارس کے فارغین کو دیکھا ہے جو بڑے ہو کر تاعمر اپنے والدین کو کوستے ہیں کہ انھوں نے ان کو دنیا کے قابل نہیں بنایا اور اگر بچے اسکول جارہے ہیں تو گھر پر قرآن پاک اور ضروری اسلامی لٹریچر کے پڑھوانے کا انتظام کریں، چاہے خود پڑھائیں یا ٹیچر رکھ کر یہ ذمے داری نبھائیں۔ صرف قرآن پاک کا ناظرہ کافی نہیں ہے بلکہ پوری کوشش کریں کہ بچہ قرآن پاک کا ترجمہ اپنی مادری زبان میں پڑھنا شروع کر دے تاکہ اس کا رابطہ براہ راست کتاب اللہ اور اللہ پاک سے قائم ہو جائے۔ آجکل ہماری معاشرتی بے راہ روی اور ابتری کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن پاک ناظرہ سے تو ضرور پڑھ لیتے ہیں لیکن اس کے معنی ہم کو زندگی بھر نہیں معلوم ہوتے۔ نتیجہ ہم سارے عمر قرآن پاک کو صرف ثواب کے لئے پڑھتے ہیں جبکہ قرآن پاک ہمارے لئے ہر روز ہدایت کی کتاب ہے۔ اس کو بغیر سمجھے بار بار دہرانا اس سے مذاق ہے کیونکہ اللہ پاک نے اسے عمل کرنے کے لئے اتارا ہے نہ کہ بغیر سمجھے بار بار دہرانے یا تعویذ بنانے کے لئے۔ آج امت مسلمہ کی ذلت و تباہی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ایک زندہ کتاب ہدایت کو صرف ثواب و تعویذ کی کتاب بنا دیا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ ''معارف'')

مفتی ذاکر حسن نعمانی
مدرس تخصص فی الفقہ والحدیث جامعہ حقانیہ

معیشت کی تنگی اور پریشانی کا رونا اور اس کا حل

پوری گلوبل دنیا اس وقت مسائل میں گھری ہوئی ہے چاہے انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر، اکثر و بیشتر مسائل ہر جگہ اور ہر کسی کے لئے پریشان کن ہیں۔ ترقی پذیر یا غریب مسلم ممالک معاشی وسائل کے لحاظ سے باقی دنیا سے زیادہ پریشان ہیں، جبکہ ترقی یافتہ غیر مسلم ممالک روحانی اور اخلاقی لحاظ سے پریشان ہیں جس کا اثر ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے، اگرچہ مسلم ممالک میں بعض حضرات ایمان اور اسلام سے دوری کی وجہ سے روحانی طور پر بھی پریشان ہیں لیکن غیر مسلم ممالک کی طرح نہیں، اس لیے کہ ایمان ،اسلام کی اپنی ایک حلاوت ہے جس میں روحانی سکون اور اطمینان ہے۔

معیشت کی تنگی کو پوری دنیا رو رہی ہے، خاص کر وطن عزیز میں عجیب اور خطرناک صورت حال ہے۔ کوئی مہنگائی کو رو رہا ہے، کوئی وسائل کی قلت اور تنگی کو، ان مسائل کو رونا اور ان پر تبصرے کرنا ہمارا قومی مشغلہ ہے، اصل تو یہ ہے کہ ان سلگتے اور خطرناک مسائل کا حل تلاش کیا جائے، اس لیے کہ ہم میں سے ہر ایک انفرادی یا اجتماعی سطح پر مسئول اور ذمہ دار ہے۔ ہر قسم کے بحران کا ہم خود ذمہ دار ہیں، اس لیے کہ ہم سب شرعی احکامات کے پابند ہیں۔

ہماری ایک عجیب ذہنیت ہے کہ عبادات کی حد تک تو دینی پابندی اور مسئولیت کا کچھ نہ کچھ احساس ہے لیکن عبادات سے ہٹ کر ملک وقوم کے اہم مسائل مثلاً سیاسی ، اقتصادی ،عدالتی اور حکومتی امور میں اسلام کی پابندی کا تصور ختم ہوگیا ہے جس طرح کفری دنیا عدالت ، وکالت ، سیاست ،حکومت اور معیشت کے مسائل کو مادی ،عقلی اور تجرباتی سوچ کے ساتھ حل کر رہے ہیں ،اسی طرح ہم مسلمان بھی ان کی قدم بہ قدم تقلید کر رہے ہیں حالانکہ مسلمانوں کے پاس عبادات کی طرح دیگر مذکورہ مسائل میں شرعی رہنمائی موجود ہے اگر ہم مذکورہ مسائل میں شرعی احکامات کی پابندی کریں تو ان شاء اللہ ہمارا ہر مسئلہ حل ہو جائے گا۔

وہ تمام مسائل جن کا پوری دنیا کوسامنا ہے، ان میں سرفہرست معیشت اوراس کی تنگی وپریشانی کا مسئلہ ہے،اس خطرناک دلدل سے کیسے نکلیں، مادی سوچ والے مسلمان اورخاص کر حکمرانوں کا خیال ہے کہ ماہرینِ معیشت ہماری کمزور اورخطرناک معیشت کومضبوط کردیں گےلیکن ہم سب نے دیکھ لیا کہ پھربھی پریشان کن معاشی مسائل نے پوری دنیا کواپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

ہمارے ماہرینِ معیشت تقریبا وہ لوگ ہیں جن کی معاشی فکر آخرت کے تابع نہیں،صرف مادی اوردنیاوی سوچ ہے ۔ اس مادی سوچ کی وجہ سے خواہشات کوبھی ضرورت کے دائرے میں داخل کردیاہے حالانکہ خواہشات اورضروریات میں زمین وآسمان کافرق ہے،خواہشات کو پورا کرنے کے لیے وسائل ڈھونڈتے ہیں۔ دنیا تو دیکھنے کی جگہ ہے برتنے کی نہیں،ضروریات کو پورا کرکے مقصدِ حیات (آخرت کی کامیابی) حاصل کرنا ہے،خواہشات کو پورا کرنے کے لیے آخرت (جنت) ہے ۔ اگرخواہشات کو پورا کرنا ہےتو میرے خیال میں ایک انسان کی خواہشات کوپورا کرنے کے لیے پوری دنیا ناکافی ہے۔

ہمارامسئلہ تو ضروری مسائل کاحل کرناہے، خواہشات پوراکرنانہیں لیکن مقصد کوسامنے رکھنا ہوگا، مقصد حیات کو پورا کرنے کے لیے ضروریاتِ زندگی کوقربان کرنا ہوگا لیکن یہ باتیں کافر اور مادی سوچ رکھنے والوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

آیئے! سوچیں کہ معیشت کی تنگی کیسے دور کی جائے گی؟اورفراخی عیش کی طرف کیسے نکلیں گے؟

معیشت کی تنگی کی وجہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِن لَہ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ''جو(قرآن وحدیث سے) منہ موڑے گا تواس کے لئے (قیامت سے پہلے دنیا اورقبرمیں) تنگی کا جینا (تنگ اور پریشان معیشت) ہوگا۔'' معلوم ہوا کہ معاشی پریشانی کی اصل وجہ قرآن وحدیث، اسلام اورشریعت اور اتباع رسول سے منہ موڑنا ہے۔ ہم سب کواپنی انفرادی اوراجتماعی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم قرآن وحدیث پر کتنا عمل پیرا ہیں۔

فراخی عیش کاسبب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِن فَلَنُحْيِيَنَه حَيٰوةً طَيِّبَةً ''جس شخص نے بھی مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیاہوگا، چاہے وہ مرد ہویاعورت ہم

اسے (دنیا میں) پاکیزہ اور بالطف زندگی عطا کریں گے۔''

مثلاً دنیا میں حلال رزق ،قناعت ،غنائے قلبی اورسکون واطمینان وغیرہ ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ فراخ عیش وسکون والی زندگی نیک عمل میں مضمر ہے۔

معیشت کی تنگی کا اسلامی حل

(ا) دعا: دعا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، ہر چھوٹی اور بڑی چیز اور کسی مسئلہ اور پریشانی کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر اور محتاج بن کر مانگنا۔اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مخصوص اوقات اور مخصوص مقامات میں خوب دعائیں مانگنی چاہیے۔سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آواز لگاتا ہے: هل من مسترزق فارزقه کیا کوئی رزق مانگنے والا ہے کہ اس کو رزق عطا کروں؟ بدقسمتی سے اس وقت سب لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں،صبح کی فرض نماز بھی نہیں پڑھتے، کچھ لوگ ساری ساری جاگتے رہتے ہیں،نیٹ پر گپ شپ لگا رہے ہوتے ہیں، پہلے ہم کہتے تھے ''جو سویا وہ کھویا'' اب بعض لوگوں کے بارے میں یہ بات بدل گئی ہے ''جو جاگا وہ کھویا''

(۲) نماز: نماز تمام مسائل کا حل ہے ،ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اور مدد لو صبر اور نماز سے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اگر کوئی پریشانی لاحق ہو تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے، ایک حدیث میں ہے کہ جو نماز کی پابندی کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پانچ انعامات عطا کرتے ہیں، ان میں سے ایک انعام یہ ہے:يرفع الله عنه ضيق العيش''اس سے معیشت کی تنگی دور کر دیتے ہیں، سوچنا چاہیے کہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ معیشت کی تنگی کا ہے اور نماز اس کا حل ہے،حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں روزی کی برکت چاشت کی نماز میں ملی۔

(۳) تقویٰ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی کوئی صورت نکال دیتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں، جہاں اس کا گمان نہیں ہوتا۔''

حضرت خبیبؓ کو کفار کی قید میں انگور کے خوشے ملتے تھے، قید والے گھر کی کافرہ عورت کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ اللہ کی طرف سے آتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ''جب کبھی زکریا ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے

پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے، یوں فرماتے کہ اے مریم! یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں، وہ کہتیں کہ اللہ کے پاس سے آئیں، بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا کرتے ہیں۔''

اسی طرح بنی اسرائیل کو وادی تیہ میں چالیس سال تک معیشت کی ہر چیز مہیا تھی، معاشی وسائل کے بغیر اس دور کی مضبوط معیشت تھی۔ متقی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عطا کا وعدہ ہے، دنیا کے سارے متقی کب سے بغیر وسائل کے فراخ معاش اور اطمینان والی زندگی گزار رہے ہیں۔

(۴) صبر: حدیث میں ہے جو شخص بھوکا ہو یا محتاج ہو، اور اپنی حاجت کو لوگوں سے چھپائے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو ایک سال کی روزی حلال طریقے سے عطا فرمائیں گے۔

(۵) مسنون اعمال: حدیث میں ہے کہ جو شخص روزانہ سورۃ یٰس پڑھے اس کے اس دن تمام حوائج پورے ہوں گے، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو سورۃ واقعہ پڑھے، اس کو کبھی فاقہ نہ ہوگا۔

(۶) توکل: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ''جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوگا'' فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ''اللہ تعالیٰ متوکلین کو دوست رکھتا ہے۔''

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر بندہ اللہ پر توکل کرے، وہ اس طرح روزی پہنچاتا ہے کہ جس طرح پرندوں کو، متوکلین کو رزق ایسی جگہ سے پہنچتا ہے جہاں سے اس کا وہم وگمان نہ ہو۔

(۷) رزق حلال کی برکت: حلال کمائی میں برکت ہوتی ہے، اگرچہ کم ہو، ہماری انفرادی اور اجتماعی معیشت میں سود، جوا اور خلافِ شرع عقود ومعاملات بہت زیادہ ہیں، سود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے لیکن آج کا مادہ پرست اور وسائل پرست مسلمان سود کا ایسا حامی اور معتقد ہے کہ علی الاعلان کہتا ہے کہ سود کے بغیر معیشت نہیں چلتی، عدالت سے اگر سود کے عدم جواز کا فیصلہ آجائے تو اس کے خلاف عدالت میں اپیل دائر کرتا ہے حالانکہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ سود کی لعنت کو ختم کرے، اعلان جنگ کا مطلب یہ ہے کہ حکومت سود خوروں اور سود کے حامیوں کے خلاف اعلان جنگ (فوجی آپریشن) کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یمحق اللّٰہ الربا یعنی سود سے معیشت مضبوط ہوتی ہے نہ بڑھتی ہے بلکہ معیشت کی تباہی ہے، تمام ملکی منصوبے سودی قرضوں پر پورے ہو رہے ہیں، سود اور اصل زر کی ادائیگی ملک کو معاشی لحاظ سے تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ عالمی بنک سودی قرضے دیتا ہے اور ملک وقوم کی معاشی تباہی والے شرائط بھی لگاتا ہے۔

(۸) صدقہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:'' ویربی الصدقات''اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا ہے۔سود میں اضافی مال آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو بے برکت اورختم کر دیتا ہے، جبکہ صدقہ میں مال ہاتھ سے نکل جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا کر دیتے ہیں۔فرشتہ دعا کرتا ہے: اللھم اعط منفقا خلفاً اے اللہ جو فی سبیل اللہ خرچ کر رہا ہے، اس کو اس کا بدل عطا کر اللھم اعط ممسکا تلفاً جو فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتا اس کے مال کو ضائع کر دے۔حدیث ہے مانقصت صدقة من مال صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ کے ذریعے رزق پر مدد چاہو، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں: تین چیزوں پر قسم کھاتا ہوں،اول یہ کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا،اس لیے خوب صدقہ کیا کرو۔

(۹) حرام مال سے پرہیز: سود، جوا، رشوت اور چوری وغیرہ سے بچنا ضروری ہے، مال کے حرام ذرائع سے کسی کی معیشت مضبوط نہیں ہوتی، بظاہر سب کچھ ہوگا لیکن پھر بھی بیشار معاشی اور دیگر مسائل میں مبتلاء ہوگا۔فراخی عیش کے مزے نہیں لوٹ سکے گا اور نہ اس کو چین وسکون نصیب ہوگا بلکہ ہر وقت دل تنگ ہوگا۔

(۱۰) ملک میں کچھ طبقات ایسے ہیں جو ملکی وسائل اور ملکی دولت کو بڑی بے دردی اور ناجائز طریقے سے لوٹ رہے ہیں،ان کا خیال ہے کہ '' لاحساب و لا کتاب''خوف خدا ہے نہ خوف قانون' ہر گناہ سے بچنے کے صرف دو ذرائع ہیں،خوف قانون اور خوف خدا۔سعودی عرب میں لوگ بہت سے گناہوں اور جرائم سے خوف قانون کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں۔

(۱۱) اسراف اورعیاشی: ملکی سطح پر صاحبِ اقتدار حضرات کے خرچے اسراف اورعیاشی کے اعلیٰ نمونے سب کے سامنے ہیں، بڑے بڑے محلات اور بڑی بڑی سرکاری بے شمار کوٹھیوں ،گاڑیوں اور پٹرول کے خرچے سب اسراف اورعیاشی ہیں۔ان کے مقابلہ میں کفار کے صاحبانِ اقتدار اپنے ملک اورقوم کے ساتھ مخلص ہیں، وہ ملکی اورقومی مفادات کی خاطر خرچے بہت کم کرتے ہیں۔

ہمارے سرکاری خرچے اورمراعات بہت زیادہ ہیں،تمام بڑے بڑے عہدے داروں کی تنخواہوں کے علاوہ مختلف قسم کی بڑی بڑی مراعات کا منصفانہ جائزہ لے کر اعتدال والے مراعات کی طرف قدم اٹھانا موجودہ معاشی بحران کے حل کا ایک مفید اقدام ہوگا۔اسی طرح یہ سرکاری مراعات صرف ملازمین کے لیے ہیں، غیر ملازم کو کوئی فائدہ نہیں ملتا۔مہنگائی آتی ہے تو ملازمین کی تنخواہوں میں

اضافہ کردیتے ہیں لیکن غیر ملازم مسلسل مہنگائی کی چکی میں پستے رہتے ہیں، کیا ملک کے باشندے صرف ملازم حضرات ہیں، ملک کا ہر باشندہ سرکاری خزانوں میں حق رکھتا ہے۔سب کے ساتھ مساوی سلوک ضروری ہے۔ سرکاری حج اور عمروں کی کوئی ضرورت نہیں، خادمین اور معاونین کے نام سے سرکاری خرچہ پر بعض ملازمین کو حج کراتے ہیں، یہ سب سرکاری خزانے پر بوجھ ہے۔ فرض نماز نہیں پڑھتے اور قوم کو اپنی دینداری دکھانے کے لیے سرکاری خرچے پر حج اور عمرے کرتے ہیں۔ اوپر کی سطح کے خرچے کم ہوں گے تو ٹیکسوں میں بھی کمی آئے گی، عوم سُکھ کا سانس لیں گے۔ یہ عجیب بات ہے کہ غریب عوام اور صارفین کے بالواسطہ ٹیکسوں سے حکومت چلتی ہے، بلاواسطہ ٹیکس ادا کرنے والے اپنے ٹیکسوں کا سار بوجھ صارفین پر ڈال دیتے ہیں۔

یہ بات یقینی ہے کہ مستقل ٹیکسوں کی ضرورت ہے، کیونکہ ملک ٹیکس کے بغیر نہیں چل سکتا، لیکن یہ بات بڑی عجیب ہے کہ غریب عوام کے بالواسطہ ٹیکسوں کے ذریعے حکومت چل رہی ہے۔

(۱۲) نجی سطح کا اسراف: بے شمار لوگ شادی بیاہ پر بہت خرچ کرتے ہیں، ان ہی خرچوں سے اگر غریب لوگوں کی شادیاں کردیں تو ثواب کے علاوہ غریب کا گھر آباد ہوجائے گا۔

(۱۳) زکوٰۃ: اگر لوگ صحیح اور پوری زکوۃ ادا کرنا شروع کردیں تو بیشمار غریبوں کے معاشی مسائل حل ہوجائیں گے، سونا چاندی کی تو بہت کم زکوٰۃ ہے، لوگوں کے ساتھ بنکوں میں مختلف کرنسیاں موجود ہیں یا تجارت کی مختلف اشیاء مثلاً گھر، بلڈنگ، گاڑیاں اور دیگر تجارتی اشیاء، ان کی بہت زیادہ زکوۃ بنتی ہے اگر یہی لوگ ہرسال ایک خاص ترتیب سے پوری زکوۃ ادا کریں تو غربت کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔

(۱۴) میک اپ کے سامان میں کمی: اسلام میں زینت اور صفائی کا ایک نظام ہے لیکن یہ میک اپ پتہ نہیں کیا بلا ہے، بیوٹی پاولر وجود میں آگئے ہیں ایک سروے کے مطابق میک اپ پر جو خرچہ ہورہا ہے اس کے ایک تہائی پر پوری دنیا کی غربت ختم ہوسکتی ہے۔ میک اپ، میچنگ (ہر چیز ملیں یکسانیت کی کوشش) اور شاپنگ عورتوں کی کمزوری ہے۔ دنیا کے اسراف اور غربت کی پیدوار میں عورتوں کا بڑا اور بھرپور حصہ ہے، ان کی بلاضرورت مختلف اشیاء بشمول میک اپ کے ڈیمانڈ بہت زیادہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اسلام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما کر اس موجودہ معاشی بحران سے بخیر وخوبی نجات عطا فرمادے۔

جناب محمد اویس سنبھلی

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ

مختصر سوانحی خاکہ

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ ایک بلند پایہ مصنف، مفسر قرآن، تعلیم وتربیت اور خدمت دین کے مثالی پیکر، صاحب طرز صحافی، نیز گمشدہ بہار کی آخری یادگار تھے۔تقویٰ وطہارت، علم وفضل کے بلند مقام پر ہوتے ہوئے بھی کسرِ نفسی اور ہیچ مدانی کا مظہر تھے۔درحقیقت مولانا علم کا ایسا گہرا سمندر تھے جس میں غواصی کرنے والوں کو علم کی تابناک منزلوں کا سراغ مل جاتا تھا۔مولانا نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ مطالعہ ومشاہدہ اور تصنیف وتالیف میں صرف کیا۔کم وبیش ۶۵ ربرس تک مسلسل ان کا قلم پوری توانائی کے ساتھ چلتا رہا،ان کی پوری زندگی اشاعت دین میں بسر ہوئی اس کے علاوہ کوئی دوسرا مشغلہ تھا ہی نہیں، ان صفحات میں ان کی مختصر سوانح حیات وخدمات کا احاطہ اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قارئین کے سامنے مولاناؒ کی کتاب زندگی کا عکس پوری طرح سامنے آجائے۔

خانوادۂ نعمانی

علمی دنیا میں خانوادۂ نعمانی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ بیسویں صدی میں ہندوستان کی دینی، علمی، ادبی وصحافتی تاریخ کا کوئی بھی جائزہ خانوادہ نعمانی کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ اس خانوادہ کے سرخیل حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تھے جو ایک معتبر و مایہ ناز عالم دین، محدث، مفسر، صحافی اور مشہور مصنف ومؤلف تھے۔حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے رفیق خاص مولانا منظور نعمانیؒ کے انتقال کے بعد منعقد ایک تعزیتی جلسہ میں فرمایا تھا کہ ''مولانا منظور نعمانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے حمیت دینی کا جو جوہر عطا فرمایا تھا وہ کم لوگوں کو ملتا ہے''۔ بلاشبہ مولانا علی میاں ندویؒ کا یہ جملہ مولانا نعمانیؒ کی خدمات کا نچوڑ اور مغز دونوں ہے۔ مولانا نعمانیؒ صاحبِ فراست علماء میں سے تھے۔ بیسویں صدی (کے پہلے ربع کے بعد) ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور تعمیر وترقی کے لیے جتنی بھی تحریکیں اٹھیں، ان سب میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا اہم کردار رہا ہے۔ مولانا متعدد صفات کے حامل تھے۔ وہ مقرر تھے، صاحب قلم تھے اور ملک وملت کی فلاح و بہبود کے

لئے میدان کارزار میں کود پڑنے والے مرد مجاہد بھی تھے۔ اپنی ان تمام خصوصیات کے ساتھ ساتھ وہ ایک ایسی عہد ساز شخصیت تھے جن کی تعلیم وتربیت میں ایک طرف اگر بڑے بڑے علماء، مصنفین اور صلحاء پیدا ہوئے تو دوسری طرف وہ اپنے بچوں کی تربیت سے بھی ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے۔ ان کی تربیت اور خلوص کا ہی نتیجہ ہے کہ ان کی آنے والی نسلوں نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علم وتحقیق اور ادب وصحافت کے میدان میں انمٹ نقوش چھوڑے بلکہ آج بھی اس خانوادہ کی نسلیں اپنے اس قیمتی ورثہ کو سنبھالے ہوئے نئے لب ولہجہ اور نئے رنگ آہنگ کے ساتھ گلستان دین وعلم کی آبیاری میں مصروف ہیں۔

وطنِ مالوف

سنبھل ہندوستان کی قدیم ترین بستیوں میں سے ایک ہے۔اُتر پردیش کی علمی بستیوں میں اس کا شمار ہے۔ راجہ پرتھوی راج چوہان نے اسے اپنا پایۂ تخت بنایا تھا۔شہاب الدین غوری کے ہاتھوں پرتھوی راج کی شکست (۱۱۹۲ء) کے بعد ہندوستان میں مسلم سلاطین کے عہد کا آغاز ہوا۔

مغلیہ عہد کے آغاز میں سنبھل، شہزادہ ہمایوں کی جاگیر قرار پایا۔ عہد اکبری میں اسے صوبہ دہلی کی تین سرکاروں (کمشنریوں) میں سے ''سنبھل سرکار'' کا درجہ حاصل ہوا۔ اس ''سرکار'' میں موجودہ مرادآباد اور اردگرد کے کئی علاقے شامل تھے۔مغلوں سے پہلے سکندر لودھی نے تو اسے اپنا پایۂ تخت ہی بنا رکھا تھا، کسی مقام کی ایسی شاہانہ منزلت اہل علم کو خوب راس آتی ہے۔تاریخ کی مختلف کتابوں میں اُس دور کا سنبھل بھی اس کی شہادت دیتا ہوا ملتا ہے۔

سنبھل کا یہ علمی مقام مغلیہ حکومت کے خاتمہ تک کسی نہ کسی طور باقی رہا۔ اکابر علماء اور ادیب یہاں سکونت پذیر تھے، جو تشنگانِ علم وادب کی پیاس بجھا رہے تھے۔ یہ شاہانہ دور کا سنبھل تھا، جو بعد میں اپنی سابقہ عظمتوں کا مزار بن کر ایک معمولی سی بستی ہو گیا۔ ماضی بعید اور ماضی قریب میں یہاں ایسی عظیم المرتبت اور یگانۂ روزگار ہستیاں رہیں، جو مختلف علوم وفنون کے آسمان پر ستاروں کی طرح چمک کر اپنی ضیا پاشیوں سے علم کے موتی رول گئیں۔ شیخ عجائب سنبھلی، شیخ حمید الدین مفسّر، شیخ محمد کنبور سنبھلی، شیخ تاج الدین سنبھلی، شیخ حاتم، سید کمال سنبھلی، مولانا خلیل احمد ، مولانا عبدالوحید، مولانا محمد حسن، مولانا مراداللہ انصاری، مولانا عبدالمجید سنبھلی، مولانا مبارک حسین، مولانا کریم بخش سنبھلی، مولانا محمد حیات، مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی، مولانا محمد منظور نعمانی، حکیم محمد احسن قاسمی وغیرہ اس کی

روشن مثالیں ہیں۔ اس فہرست کے آخری چند علماء دورِ شاہانہ کے بہت بعد کے ہیں۔مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی اسی مردم خیز علمی بستی میں پیدا ہوئے۔

ولادت

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ کی ولادت میونسپل بورڈ کے اندراج کے مطابق ۳۰رشعبان ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۵رمارچ ۱۹۲۶ء بروز دوشنبہ ایسے علمی و پاکیزہ ماحول میں ہوئی جس کا بنیادی امتیاز ہی علم نافع کی توسیع رہا ہے۔مولانا اکثر اپنی ذاتی گفتگو میں سن پیدائش ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء بتاتے تھے۔آپ نے اپنے قلم سے بعض جگہ یہی لکھا بھی ہے۔دارالعلوم دیوبند سے جب مولانا کے آخری تعلیمی سال کا ریکارڈ منگوایا گیا تو اس کے جواب میں دارالعلوم کی جانب سے جو معلومات بھیجی گئیں، ان سے بھی مولاناؒ کا سن پیدائش ۱۹۲۸ء ہی نکلتا ہے۔دارالعلوم کی جانب سے بھیجی گئی معلومات میں یہ عبارت درج ہے:''ریکارڈ کے مطابق جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحبؒ ولد حضرت مولانا محمد منظور صاحبؒ، ساکن سنبھل، ڈاکخانہ: خاص، ضلع مرادآباد، کا دارالعلوم دیوبند میں داخلہ: ۱۱رذی قعدہ ۱۳۶۳ھ میں ہوا، دورۂ حدیث شریف سے فراغت شعبان ۱۳۶۷ھ میں ہوئی۔عمر بوقت داخلہ: ۱۶رسال، مصباح العلوم بریلی سے پڑھ کر تشریف لائے۔'' دستخط: عبدالسلام قاسمی،

محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند

۲رجون ۲۰۲۲ مطابق یکم ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ

مندرجہ بالا عبارت کی رو سے ۱۱رذی قعدہ ۱۳۶۳ھ جو انگریزی مہینہ کے مطابق ۲۸راکتوبر ۱۹۴۴ء ہوتا ہے، کو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا، اس وقت ان کی عمر ۱۶ربرس تھی۔ ۱۹۲۸ اور ۱۹۴۴ کا فرق بھی ۱۶رہی نکل کر آتا ہے۔اس حساب سے مولاناؒ کا سن پیدائش ۱۹۲۸ء ہوا۔یہاں ایک اور مثال اس سلسلہ کی پیش کی جاتی ہے تاکہ سند رہے۔

مولانا سید اسعد مدنی کے انتقال کے بعد مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے ایک تعزیتی مضمون بعنوان ''مولانا اسعد میاں جوارِ رحمت میں'' ماہ نامہ الفرقان میں تحریر کیا تھا،اس مضمون کے دوسرے پیراگراف کی آخری چند سطریں درج ذیل ہیں:''...عیادت کیلئے جانے کا ارادہ کیا تو پتہ چلا کہ طبیعت بہتر ہے، ڈاکٹر کی اجازت سے چند دن کے لئے دیوبند چلے گئے ہیں۔ بہرحال! واپس آئے، جمعیت کے دفتر میں ملاقات ہوئی، دیکھ کے فی الجملہ اطمینان ہوا کہ اس جھٹکے سے بظاہر نکل گئے۔میں نے کہا

بس، بہت خدمتِ ملک و ملت ہوگئی، اب خدا کے لیے اپنے اوپر رحم کریں۔ کچھ آرام کرلیں۔ کہنے لگے، اب آرام کیا کرنا؟ اسّی برس پورے ہونے جارہے ہیں، ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ کی میری پیدائش ہے۔ لیجئے! معلوم ہوا کہ سالِ پیدائش ہم دونوں کا ایک ہے۔ بس مہینوں کا آگا پیچھا ہے۔''

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ مولانا کا سن پیدائش ۳۰؍شعبان ۱۳۴۶ مطابق ۱۵؍مارچ ۱۹۲۸ء ہے،مولانا سید اسعد مدنی اور مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ دارالعلوم دیوبند میں پہلے سال کے درسی ساتھی تھے، پہلے سال میں جو کتابیں ملیں اس میں ایک کتاب مختصر المعانی تھی۔اس کتاب کے استاد حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ تھے۔

راقم الحروف کے والد ماجد (جناب نظیف الرحمٰن سنبھلی) تقریباً ۴۰؍برس سنبھل میونسپل بورڈ میں رہے، ۱۹۷۵ء میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کا پہلا پاسپورٹ بننے کا مرحلہ آیا تو والد ماجد نے ہی میونسپل بورڈ سے تاریخ پیدائش کا ریکارڈ نکلوایا، جسکی بنا پر مولانا کا پاسپورٹ تیار ہوا، مولانا کے پاسپورٹ میں تاریخ پیدائش ۱۵؍مارچ ۱۹۲۶ء ہی درج ہے، یہاں اس بحث کا مقصد صرف یہ تھا کہ مولاناؒ نے ذاتی گفتگو میں ہمیشہ اپنا سن پیدائش ۱۹۲۸ء بتایا جبکہ میونسپل بورڈ کا ریکارڈ ۱۹۲۶ء بتاتا ہے۔

والدہ ماجدہ

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ کی والدہ ماجدہ کا نام لطیف النساء تھا۔موضع حاجی پور کے چودھری عبدالحکیم صاحب کی صاحبزادی تھیں،۱۹۲۵ء میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں، ۷؍رمضان ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں بریلی میں وفات پائی، مولانا منظور نعمانیؒ نے آپ کی وفات پر ماہنامہ ''الفرقان'' میں لکھا تھا: ''...یہ تقریباً ۱۸؍سال سے میری زندگی کی شریک تھیں اور اللہ پاک کا احسان ہے کہ ''دنیا'' سے زیادہ وہ دین میں میری رفیقہ تھیں۔ان کی صابرانہ سیرت کے ساتھ سلیقہ داری اور دانشمندی نے مل کر خانگی افکار سے مجھے آزاد کردیا تھا۔قریباً دائمی خرابیٔ صحت کے باوجود میری اور بچوں کی خدمت اور گھر کے سارے کام کاج کیساتھ ان کی کثرتِ عبادت، فرطِ خشیت اور بالخصوص رات کی اور صبح کی نماز میں دعاؤں یا سجدوں میں کبھی کبھی اللہ کے حضور میں ان کا رونا میرے لیے تازیانۂ عبرت بن جاتا تھا۔

... ہاتھ اتنا وسیع تھا کہ دروازوں پر عام طور سے پھرنے والے سائلوں کو دینے کے خلاف میری سخت رائے معلوم ہونے کے باوجود ان کا جی یہی چاہتا تھا کہ کسی کو خالی نہ واپس کیا جائے۔ دل اتنا درد آشنا تھا کہ کسی مصیبت زدہ کو تکلیف یا خستگی کی حالت میں دیکھ لیتیں تو کئی کئی دن متاثر اور درد

مندرہتیں اور بار بار اس کا ذکر کرتیں...''۔ (ماہنامہ الفرقان بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ)

اپنی والدہ اور بہن بھائیوں کے سلسلہ میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے مولانا محمد منظور نعمانی رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح 'حیات نعمانی' میں ازواج واولاد کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جارہا ہے: ''...جن سے آپ کی اولاد میں دو بیٹے، عتیق الرحمٰن اور حفیظ الرحمٰن ہیں۔ (نوٹ: ایک بہن حمیرا سب سے پہلی اولاد تھی، ، شیر خورگی ہی میں واپس چلی گئی، اس کے بعد عتیق، حفیظ اور پھر ایک بھائی، وہ بھی نام ہی کی عمر لے کر آیا، اور آخر میں پھر ایک بہن، اس نے بھی حمیرا ہی نام پایا اور کوئی سال بھر زندہ رہی، اس سے حضرت والد صاحب کو جو تعلقِ خاطر تھا اس کے بیان میں آپ کی زندگی کا ایک گوشہ نمایاں ہوتا ہے۔ یہ کوئی ۱۰/سال کے وقفہ سے پیدا ہوئی تھی اور گھر میں اس کے بس دو بھائی دس بارہ سال کی عمر کے تھے۔ ایسے میں یہ والد والدہ کے لیے کھلونا بن گئی تھی۔ یاد ہے کہ گرمی کا زمانہ ہے اور بڑے تسلے میں بٹھا کر نہلائی جارہی ہے اور پانی سے چھپ چھپ کر کے محظوظ ہورہی ہے تو والدہ سے زیادہ والد ماجد لطف اندوز ہورہے ہوتے۔ اس کا انتقال والد والدہ، دونوں کے لیے بالخصوص بڑے ملال کا باعث ہوا تھا۔ ان شاء اللہ ذخیرہ آخرت ہوکر ملے گی)۔''

...(راقم عتیق الرحمٰن سنبھلی کی والدہ ماجدہ) ۱۹۴۳/۱۳۶۲ھ تک آپ (مولانا محمد منظور نعمانیؒ) کی شریک حیات رہیں۔ رمضان ۶۲ھ میں بریلی میں وفات پائی، غفرھا اللہ تعالیٰ ورحمھا۔ رمضان مبارک میں یہ لحہ میسر آنے کے علاوہ ان کے حق میں دوسری نیک فال وہ جگہ ہے جو مدفن کے لیے محلّہ (گھیر عبدالقیوم) کی مسجد کی عین فصیل کے نیچے ان کو ملی، کہ مؤذن وہاں پانچ وقت مبارک کلمات کی صدا بلند کرتا ہے۔ (حیات نعمانی از عتیق الرحمٰن سنبھلی صفحہ ۴۴۲، نومبر ۲۰۱۴ء)

مولانا سنبھلیؒ کی والدہ ماجدہ کے انتقال کے کچھ دن بعد مولانا نعمانیؒ نے دوسرا نکاح کیا۔ اس سلسلہ کی کچھ روداد مولاناؒ نے 'حیات نعمانی' میں لکھی ہے، چند سطریں نقل کی جارہی ہیں:

''والدۂ مرحومہ کے انتقال کے بعد بریلی کی رہائش کا، جہاں اعزہ واقارب میں سے کوئی نہ تھا، ناگزیر تقاضہ تھا کہ پھر سے گھر بسانے میں بہت دیر نہ روا رکھی جائے، چنانچہ آپؒ کی بہنوں نے جلد ہی اپنے عزیزوں میں رشتہ تلاش کر کے یہ مسئلہ حل کیا، اور ہمارا گھر پھر سے آباد ہوا۔ سو ہماری یہ دوسری والدہ (آفتابی بیگم) بھی، جنھیں ہم 'آپا' کہتے تھے، ۲۸/سال ساتھ رہ کر اور دو بیٹے دو بیٹیاں چھوڑ کر شعبان ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں راہی آخرت ہوئیں۔ ان کی نیک خصلتی کے لیے اوپر گزری ہوئی اس بات کے حوالہ سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ہم لوگوں میں سگے سوتیلے کا احساس

انھوں نے نہیں پیدا ہونے دیا۔ ایک عورت ہونے کے ناتے یہ جس درجہ کی نیکی کہی جانی چاہئے اسے بیان کی حاجت نہیں..... ہمارے ان بھائی بہنوں میں سب سے بڑی کوثر بی سلمہا عزیزی مولوی یحیٰ نعمانی کی والدہ ہیں، پھر حسان میاں، پھر حمیرا سلمہا اور آخر میں سجاد میاں (خلیل الرحمٰن) ، ان کے علاوہ دو بھائی شعبان اور سلمان اور ہوتے تھے، مگر وہ تھوڑی ہی زندگیاں لے کر آئے۔ شعبان تو سال بھر سے بھی کم اور سلمان کوئی آٹھ سال، مگر وہ آٹھ سال اس مرحوم کے لیے اور والدو والدہ کیلئے بس آزمائش کے سال ہوئے۔ قریب سال بھر کی عمر میں گود کھلانے والے بچہ کے ہاتھ سے گر جانے کے حادثہ میں دماغی ایسی چوٹ کھا گیا کہ پھر جسم حرکت کی صلاحیت سے محروم ہو گیا۔ زندگی کی مدت لیٹے لیٹے ہی پوری ہوئی۔ (ایضاً رصفحہ ۴۲۳)

مولانا منظور نعمانیؒ نے اپنی رفیقۂ حیات کے انتقال پر ایک مضمون ماہنامہ ''الفرقان'' بابت ماہ رمضان وشوال ۱۳۹۰ھ کے شمارے میں تحریر کیا تھا۔ یہ چند سطریں بھی پڑھ لیجئے:

''وہ میرے والد ماجد مرحوم کی حقیقی بھانجی کی لڑکی تھیں، دیندار اور عبادت گزار اپنے بچپن سے تھیں۔ میرے گھر آنے سے بہت پہلے اپنی ابتدائی عمر ہی میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئی تھیں، پھر حضرت کے وصال کے بعد خود میرے ساتھ سہارنپور حاضر ہو کر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم سے بیعت کی تجدید کی تھی۔

....اگرچہ مرحومہ کی عمر سفر حج کے وقت پچاس سال سے کچھ ہی زیادہ تھی لیکن وہ فطری طور پر بہت کمزور تھیں اور کئی برس سے ان کے ضعف جسمانی اور ناتوانی کا حال یہ تھا کہ اگر ان کو سو دو سو قدم بھی پیدل چلنا پڑ جاتا تو اختلاج کی سی کیفیت ہو جاتی اور سانس کا نظام بگڑ جاتا.... مجموعی طور پر قریباً چالیس دن حرمین پاک میں قیام رہا، انھیں ایک دن بھی اُس ضعف و ناتوانی کا احساس نہیں ہوا جو برسوں سے لازمہ زندگی بنا ہوا تھا، پھر چند ہی روز بعد اُن کے اس مرض کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کو ان کی زندگی کے خاتمہ کا ذریعہ بننا تھا اور ۲۶ رشعبان ۱۳۹۰ھ کو ان کے انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سفر دراصل ان کے سفرِ آخرت کی تمہید اور اس کی تیاری کا ذریعہ و وسیلہ تھا۔'' (وفیات نمبر، ماہنامہ ''الفرقان''، اپریل رمئی رجون ۱۹۷۷ء ص ۱۷۵ تا ۱۸۲)

والد ماجد

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ذات برصغیر کے دینی وعلمی حلقہ میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مولاناؒ کا وطن سنبھل ہے۔ وہیں ۱۸ رشوال ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۶ ردسمبر ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے۔

مولانا کے والد ماجد کا اسم گرامی احمد حسین (متوفی ۴رمضان ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۲رجولائی ۱۹۴۸ء) تھا لیکن عام طور سے 'صوفی احمد حسین' کے نام سے معروف ومشہور تھے۔مولانا نعمانی کی ابتدائی تعلیم پہلے سنبھل کے مختلف مدارس میں ہوئی ، پھر مدرسہ عبدالرب دہلی میں، اس کے بعد دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڑھ(اب ضلع مئو) میں پڑھااور آخری دو سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں دورۂ حدیث کے امتحان میں درجہ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ یہ سال حضرت مولانا انورشاہ کشمیریؒ کی صدارت کا آخری سال تھا۔دارالعلوم سے فراغت کے بعد مولاناؒ نے حضرت مولانا انورشاہ کشمیریؒ سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کیا۔ مدرسہ چلّہ، امروہہ میں تین سال درس وتدریس میں گزارے، پھر چار سال بہ حیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس دیا۔۱۳۵۳ھ (۱۹۳۴ء) میں بریلی سے ماہنامہ الفرقان جاری کیا۔۱۳۶۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن نامزد ہوئے۔ بقول مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ: ''اس طرح اکابر دارالعلوم کی جانب سے ۴۰رسال سے کم عمر میں انھیں اعتماد کی سب سے بڑی سند اور اعزاز کا سب سے اونچا منصب عطا کردیا گیا''۔(بانی الفرقان نمبر، اشاعت خاص ۱۹۹۸ء مرتبہ عتیق الرحمٰن سنبھلی، ص۱۱۲)

مولانا نعمانی ابتداء ہی سے تبلیغی جماعت سے وابستہ رہے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے دور میں بھی کافی انہاک رہا اور ان کی ترجمانی کی منصب بھی حاصل رہا۔سلوک وتصوف میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے وابستہ تھے اور ان سے خلافت واجازت بھی ملی۔

مولاناؒ اردو زبان کے بڑے مضمون نگار، مؤلف اور مصنف تھے۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل ماہنامہ الفرقان کی فائلوں میں ان کے مضامین بکھرے پڑے ہیں۔ انھوں نے اپنی تصنیفات میں جو زبان استعمال کی ہے، وہ بہت عام فہم اور شگفتہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ عوام وخواص میں ان کی کتابیں بہت مقبول اور پسندیدہ ہیں۔مولاناؒ کی کل تصنیفات وتالیفات جو اس وقت دستیاب ہیں ان کی تعداد تقریباً ۴۰رہے۔الفرقان کی ۶۰رسال سے زیادہ کی فائلیں اور مولاناؒ کی تمام تصنیفات و تالیفات اس کی شاہد ہیں کہ مولاناؒ پر دین کی دعوت کا جذبہ غالب تھا۔

مولانا نعمانیؒ نے ایک بھرپور زندگی گزاری۔تقریباً دو تہائی صدی تک ملت کے مشکل مسائل حل کرنے کے لیے جن دو چار شخصیتوں کی طرف نگاہ اُٹھتی تھی ان میں ایک نمایاں نام مولانا منظور نعمانیؒ کا تھا۔جماعت اسلامی کا قیام، مسلم مجلس مشاورت، مسلم پرسنل لاء بورڈ، دینی تعلیمی کونسل کا قیام ، ان سب میں مولاناؒ پورے خلوص کے ساتھ شریک رہے۔۵رمئی ۱۹۹۷ء (۲۷رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ) کو لکھنؤ میں انتقال ہوا۔عیش باغ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ (جاری ہے)

مولانا مفتی عبید الرحمٰن*

عقائد اور نظریات کا فرق: اصولی تجزیہ

اعتقاد اور عقیدہ کے الفاظ ''عقد'' سے نکلے ہیں جس کا معنی کسی چیز کو باندھنا ہے، ان جیسے الفاظ میں عقیدے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ دل سے کسی چیز کو سچ وثابت یا باطل وغیر ثابت تسلیم کرلیا جائے، جن چیزوں کو ہم اعتقادات اور عقائد کی فہرست میں گنواتے ہیں، ان کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے ہم ''صفت وحدانیت'' ثابت مانتے ہیں اور شرک کو مذموم وممنوع قرار دیتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں ہماری دینی عقائد کا حصہ بلکہ اس کی اساس وبنیاد ہیں، اس کا یہی مطلب ہے کہ وحدانیت کی صفت کو ہم نے دل وجان سے درست اور واقع کے مطابق یقین کیا جبکہ شرک کو قلب وجگر سے غیر ثابت اور جھوٹ وخلافِ واقع باور کیا۔

نظریات کا تعارف

ہمارے زمانے میں اس کے قریب قریب ایک اور اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ قدیم مسائل کے علاوہ جدید نوعیت کے مسائل وافکار میں اسی لفظ کا استعمال زیادہ ہے، اس کی بنسبت عقائد کے لفظ کا استعمال کم اور بہت ہی کم ہے، وہ اصطلاحی لفظ ''نظریات'' ہے۔ اس کا مفرد'' نظریہ'' ہے جس کا اصل معنی ہے: وہ مسئلہ جس میں نظر وفکر سے کام لیا جائے۔ تھیوری۔ اصول۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۳۳)

عقیدے اور نظریہ میں فرق کا خیال واثرات

عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ:

الف: نظریہ الگ چیز ہے اور عقیدہ بالکل جدا چیز ہے۔

ب: عقیدے کے باب میں ماثور اور منقول بات کی پابندی ضروری ہوتی ہے اور اسی کے حصار میں رہنا ضروری ہے جبکہ نظریات کے باب میں آزادی اور تجربے کو دخل ہے۔

---

* رئیس دار الافتاء جامعہ محمدیہ مایار مردان

ج: عقیدہ ایک جامد اور ٹھوس چیز ہے جبکہ نظریات میں تغیر اور ترقی ہوسکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے، نظریہ ہمیشہ متحرک ہی رہتا ہے۔

د: عقیدے میں نصوص کی پابندی ضروری ہے جبکہ نظریات کا تعلق فکر ونظر کے ساتھ ہے، جس میں مزاج ومذاق اور تجربہ وغیرہ کی بنیاد پر اختلاف رائے ہوسکتا ہے اور یہی چیزیں اس کے لئے مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مساوات، حریت اور غیر محدود آزادی اور ان جیسی دیگر باتیں جن کو نظریات کے نام وعنوان سے متعارف کرایا جاتا ہے، امتِ مسلمہ کی جم غفیر ان کو نظریات کے عنوان سے درست تسلیم کرتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کے حاشیہ خیال میں بھی بسا اوقات یہ سوال تک کھڑا نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کا دین وشریعت سے بھی کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ عقیدے کے عنوان سے معمولی تجدد وتغیر بھی آئے تو امت مسلمہ اس کے خلاف میدان عمل میں اترتی ہے اور اس کا مقابلہ کرتی ہے اور پہلے ہی مرحلہ میں ایسے کو ضلال وگمراہی قرار دیتی ہے لیکن اس جیسی گمراہی یا اس جیسا فلسفہ اگر نظریہ کا لباس اوڑھ کر جلوہ گر ہوتی ہے تو نہ اس پر اشکال کھڑا ہوتا ہے، نہ اس کے خلاف میدان میں اترنے اور مقابلہ کرنے کی نوبت آتی ہے بلکہ ہر سو خاموشی چھا جاتی ہے، حاملین دین اور ذمہ دارانِ امت کی جانب سے بھی اس پر کوئی روک وٹوک نہیں ہوتا۔

بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظریات کے عنوان سے بعض ایسی باتوں پر یقین رکھا جاتا ہے جو شرعی ودینی عقائد سے واضح طور پر متصادم ہوتی ہیں لیکن اس کو برداشت کرلیا جاتا ہے، چنانچہ عصری دنیا میں اجتماعی نظم ونسق کے حوالہ سے بہت سی باتیں ایسی ہی ہیں جن کو مسلمان نظریات کے نام سے اختیار کرتے ہیں حالانکہ تمام پہلوں سے ان پر غور کیا جائے تو وہ مذموم وممنوع عقائد سے بعض اوقات زیادہ مضر اور گمراہ کن ثابت ہوجاتی ہیں۔

ایک فکر آمیز مثال

اس کو یوں ہی بھی آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے کہ مثال کے طور پر پچھلے چند دہائیوں سے برصغیر پاک وہند کی سرزمین پر حیات وممات کی بحث چلی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخی زندگی کیسی ہے؟ کیا روحِ مبارک کو جسدِ اطہر کے ساتھ کوئی ربط وتعلق ہے جس کی بنیاد پر اس کو حیات سے تعبیر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ بحث عقیدے کے عنوان وطرز سے اٹھی اور جن لوگوں نے اس کا اقرار

یا انکار کیا، انہوں نے اس کو عقیدے کا نام دیا، جانبین کی طرف سے تحریر و تقریر کے میدانوں میں کئی دہائیوں تک یہ جنگ جاری رہی جس کے بھیانک نتائج اور غیر معمولی اثرات کا ہم نے بچشم خود معائنہ کیا، یہ ساتویں دہائی شروع ہوگئی لیکن ہنوز جنگ جاری ہے۔

جس زمانے میں یہ مسئلہ نیا نیا ابھر کر سامنے آیا، اس سے کچھ سالوں پہلے اس سے زیادہ خطرناک، المناک امور وجود میں آ چکے تھے لیکن شاید ان کی خوش قسمتی تھی کہ ''نظریات'' کے نام سے ان کی پرچار کی گئی، چنانچہ اس سے چند سالوں پہلے ''اقوام متحدہ'' وجود میں آ گئی جنہوں نے کچھ عرصہ میں بنیادی انسانی حقوق میں سے حریت، مساوات، آزادی اور امن وغیرہ چیزیں شامل کر دیں اور ان معصوم الفاظ اور دلکش عنوانات کو ایسے تشریحات کے ساتھ متعارف کر دیا جو صرف دین اسلام کے ایک آدھ نص، روایت یا عقیدے ہی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ پورے ہی دین و مذہب سے متصادم ہیں، صرف اسلام ہی نہیں بلکہ کسی بھی آسمانی دین اور الہامی مذہب سے اس کا واضح طور پر تصادم و تعارض ہے، ان نظریات کو اگر ایک لمحے کے لئے درست تسلیم کر لیا جائے تو دین و مذہب کی عمارت دھڑم گر جاتی ہے۔

دونوں اصطلاحات کے لحاظ سے امت کی روِش

اب ایک طرف حیات و ممات کا مسئلہ، اس کا پسِ منظر اور اس حوالہ سے امت کی بیداری اور کارکردگی ہے، دوسری طرف درج بالا نظریات اور اس حوالہ سے امت کی روش ہے، دونوں پہلوؤں پر سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر سے کام لیا جائے تو درج ذیل حقائق سامنے آ جاتے ہیں:

الف: حیات ممات کے مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ چند نصوص کا ترک لازم آتا ہے جبکہ مساوات وغیرہ نظریات دینِ اسلام کے بنیادی تعلیمات وعقائد سے ہی متصادم ہیں جس کے ضمن میں بلا مبالغہ سینکڑوں سے زیادہ نصوص کا چھوڑنا لازم آتا ہے اور وہاں تو چھوڑنے کا مطلب احترام و اکرام کے ساتھ تاویل و توجیہ کرنا ہے یا دیگر شرعی نصوص و دلائل کو اس کے مقابلے میں راجح قرار دینا ہے، جبکہ یہاں بڑے بیدردی و نہایت بے رحمی کے ساتھ نصوص کا مذاق اڑانا یا کم از کم اس کی سچائی پر یقین نہ رکھنا ہے۔

ب: پہلے مسئلہ میں اگر نصوص کا انکار یا ترک لازم آتا بھی ہے تو وہ بھی بے دینی یا دین بیزاری پر مبنی نہیں ہے، چنانچہ جو حضرات اس میں غلطی پر بھی ہیں وہ بھی دینی جذبے کے بنیاد پر دیگر

نصوص کو سامنے رکھ کر اس غلطی پر اصرار کرتے ہیں جبکہ ان نظریات کا یہ حال نہیں ہے بلکہ اس کے پس منظر اور پیش منظر میں بے دینی ہی کارِفرما نظر آتی ہے۔

ج: حیات وممات کے مسئلہ میں جس نکتے کو ہم اصولی لحاظ سے گمراہی کہہ سکتے ہیں ،اس کے شکار افراد کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق لاکھ کے قریب ہوگی جبکہ مساوات وغیرہ نظریات سے جو لوگ متاثر اور ان کے دلدادہ ہیں ان کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہے، بیشتر ممالک کے بنیادی آئین میں اس کو تسلیم کیا جا چکا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جو بات دیکھنے کی ہے اور جس کے جائزہ لینے کی ضرورت ہے ، وہ یہ ہے کہ ہمار یہاں برصغیر پاک وہند کے دینی وعلمی حلقے کی جو کچھ توانائیاں حیات وممات کے مسئلہ میں صرف ہوئیں ہیں ،اس کا عشرعشیر بھی ان غیر شرعی اور خود ساختہ نظریات کے خلاف صرف نہ ہوا۔اس کے مختلف اور متعدد وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ یہی ہے کہ حیات وممات جیسے مسائل عقائد کے نام عنوان سے متعارف ہوئے ہیں اور مساوات وآزادی وغیرہ چیزیں نظریات کے چادر تلے پیش ہوئی ہیں ،اس لئے علمِ عقائد سے شغف رکھنے والے حضرات کی اکثریت نے اس کے خلاف کوئی علمی محاذ قائم نہیں فرمایا۔

مسلمانوں کے درمیان اس باب میں ہرگز دو رائے نہیں ہیں کہ شرعی ،عقلی ،اخلاقی ،نفسیاتی اور تجرباتی وغیرہ ہر سطح پر عقیدے کی غیر معمولی اہمیت اور ضرورت ہے، یہی وہ چیز ہے جس پر کسی بھی دین ومذہب کی عمارت استوار ہوتی ہے لیکن جس نکتہ کی وجہ سے یہاں الجھاؤ کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، وہ یہ ہے کہ نظریہ کینام سے نئی برآمد ہونے والی چیز شرعی اصطلاح میں عقیدہ ہے یانہیں؟ ورنہ امت مسلمہ گو علم وعمل ہر لحاظ سے کسمپرسی اور انحطاط کی شکار ہے اور امت کی عملی کوتاہیاں بھی محتاجِ بیان نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود رب کریم کا بے پناہ حمد وشکر ہے کہ یہ امت ہنوز بانجھ نہیں ہے بلکہ حجازی خون اب بھی اس کی رگ وریشہ میں حرکت کر رہا ہے۔

دینی عقیدے کے دو لازمی اجزا

ہمارے ہاں جس چیز کو عقیدہ کہا جاتا ہے،اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ:

الف: کسی چیز کے سچے وحق یا جھوٹے وناحق ہونپر ایسا پختہ یقین واعتماد کیا جائے جو کسی کے شک دلانے یا وسوسہ ڈالنے سے ختم نہ ہو۔

ب: اس یقین رکھنے کو شریعت کی جانب سے باور کیا جائے کہ شریعت نے ہی ہمیں اس یقین رکھنے کا پابند بنایا ہے۔

اب اگر کسی چیز کا پختہ ایمان و اعتقاد تو ہے لیکن اس کو شریعت کی جانب منسوب نہ کیا جائے تو وہ عقیدہ نہیں کہلائے گا۔ مثال کے طور پر زید کے کھڑے، بیٹھنے یا لیٹنے کا یقین رکھا جائے، اسی طرح اپنے تجربے کی بنیاد پر زرعی، تجارتی یا معاشرتی لحاظ سے کسی چیز کو مفید یا مضر خیال کیا جائے، ایسی چیزیں تو شرعا عقائد میں داخل نہیں ہیں اس لئے اس پر شرعا کوئی قدغن بھی نہیں ہے اور اس میں اختلاف کا ہونا بھی دینی یا اخروی لحاظ سے مضر نہیں ہے۔

لیکن ایک چیز کا لحاظ رکھنا بہرحال ضروری ہے اور وہ شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس اعتقاد و یقین کی وجہ سے شرعی احکام وضوابط کیساتھ تصادم، انکار یا اس کو چھوڑنے کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے اور اگر کسی چیز پر یقین رکھا جائے اور اس کو شریعت کی جانب منسوب بھی کیا جائے لیکن خود شریعت نے اس کی تبلیغ و تلقین نہ فرمائی ہو تو یہ اعتقادی بدعت کہلائے گی۔

جدید نظریات کا شرعی حکم

اس تناظر میں ان چیزوں کا حکم بھی واضح ہو جاتا ہے جن کو نظریات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

الف: اگر کوئی نظریہ ایسا ہے جو شرعی ضروری عقائد کے خلاف یا اس سے متصادم ہو تو وہ نظریہ رکھنا ناجائز و حرام ہوگا اور جس درجے کے عقیدے کے ساتھ جس درجے کا تصادم ہو، اس کے مطابق حکم اس پر لاگو ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر نظریہ ارتقا کی وجہ سے حضرت آدم علیہ الصلا والسلام کے پیدا کرنے کا انکار کیا جائے تو اس کے کفر ہونے میں شبہ نہیں ہے، اسی طرح سیکولر ازم کے نظریہ کے تحت ریاستی امور میں شریعت کی رہنمائی پر عمل کرنے کو مسلمان کی پستی کا ذریعہ قرار دیا جائے یا سیکولر نظام کو اس پر ترجیح دیدی جائے، دینی احکام کی بجائے سیکولر قانون کا بہتر تصور کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

ب: کوئی نظریہ خاص شرعی عقائد سے تو متصادم نہیں ہے لیکن اس کی وجہ سے کسی دینی حکم کی مخالفت لازم آتی ہے تو ایسا نظریہ بھی شرعا ممنوع ہوگا البتہ پھر ممنوع کے دائرہ

کار میں اس کا کیا درجہ متعین ہوگا؟ اس کا فیصلہ اس حکم کی حیثیت کو دیکھ کر کیا جائے گا جس کی مخالفت لازم آتی ہے، مثال کے طور پر مرد وزن کے مساوات کا نظریہ ہے کہ اس کی وجہ سے متعدد دینی احکام کی مخالفت لازم آتی ہے چنانچہ میراث، گواہی، دیت، طلاق، سفر اور ذمہ داریوں کے حوالہ سے مرد وزن میں فرق شریعت کی طرف سے مقرر ہے اور یہ فروق اصطلاحی معنی میں عقائد کے تحت داخل بھی نہیں ہیں۔ (بعید نہیں ہے کہ ایسی چیزوں کو نظریات کہنے پر اصرار کرنا اور اسی بنیاد پر اس کو گوارا کرنا یا کرانا اس وعید کے تحت داخل ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ آخر زمانے میں لوگ حرام چیزوں کو نام بدل کر حلال کرنے یا سمجھنے کی کوشش کریں گے۔)

ج: اگر کوئی نظریہ ایسا ہے جس کے متعلق شریعت نے کوئی تلقین نہیں فرمائی، نہ اس کے ثابت ہونے کا حکم دیا اور نہ ہی اس کے نہ ہونے کی خبر دی ہو اور وہ نظریہ بھی ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے کسی شرعی حکم کی مخالف بھی لازم نہیں آتی تو ایسا نظریہ شریعت سے متصادم نہیں کہلائے گا اور اس کو ممنوع نہیں قرار دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر آئن سٹائن کی جانب ''نظریہ اضافیت'' منسوب کیا جاتا ہے، اسکو اگر اسی درجہ میں رکھا جائے اور اس کی وجہ سے کسی حکم شرعی کی مخالفت نہ آئے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ اور نظریہ میں گو مفہوم کے لحاظ سے فرق ہوسکتا ہے اور ہے لیکن عام طور پر اس فرق کو برقرار نہیں رکھا جاتا، بلکہ بہت سے مواقع میں دونوں کو خلط ملط کیا جاتا ہے، نیز شرعی احکام کا دار مدار بھی محض الفاظ واصطلاحات پر نہیں ہے، لہٰذا محض کسی چیز کو نظریہ کہہ یہ باور کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ چونکہ یہ نظریہ ہے، عقیدہ نہیں ہے، اس لئے اس سلسلہ میں ہم جو بھی پہلو اپنانا چاہے، اپنا سکتے ہیں، شریعت کی جانب سے اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہوگا، بلکہ اس کو شرعی ضوابط پر پیش کرنا ضروری ہے۔

مولانا وسیم اکرم

متعلم جامعہ دارالعلوم حقانیہ

کیپٹل ازم، سوشل ازم، اسلامی نظامِ معیشت اور مسئلہ حرمت سود

غلامی خواہ جسمانی ہو یا ذہنی، جذباتی ہو یا تخیلاتی ہر صورتِ غلامی ایک کمر توڑ اور مذموم کیفیت کا نام ہے جس کی شدید اذیت تمام تر مذہبی، سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ وصفِ انسانیت ہی اس قبیح کیفیت کے ادراک کیلئے کافی ہے کیوں کہ ایک باشعور اور حقیقی انسان ہی غلامی کی زنجیروں کو محسوس کرتا ہے پھر چاہے وہ زنجیریں آہنی اور فولادی ہو یا عقلی و ذہنی، جتنا غلامی کا احساس ہوگا اس قدر آزادی کا خواب اور مطالبہ بھرپور ہوگا۔ غلامی، حسین و خوشنما چادر میں لپیٹ کر بھی اگر کسی پر پیش کی جائے اور محکوم اور غلام قوم اس کو سرِ چشم اپنے اختیار سے بھی قبول کریں تب بھی غلامی انسانی اقدار کے خلاف اور الٰہی قوانین کے صریح خلاف ورزی تصور کی جائے گی۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم بحیثیت قوم بہت عرصہ جسمانی غلامی کی اذیت و تکلیف سہتے رہے جب نام نہاد جغرافیائی آزادی حاصل کر چکے تو ذہنی غلامی کی آہنی زنجیر ہمارے گلے ایسے چمٹی کہ ہم لاکھ کوششیں کریں اس لعنت سے چھٹکارا ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور ہے لیکن تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ہم آزادی کے خواہاں نہیں رہے ہماری طبیعت غلامی کی اس قدر خوگر ہوچکی ہے کہ آزادی کے لفظ سے بھی خوف آتا ہے۔ اب ہمیں اپنے حقیقی خیرخواہوں سے بھی گھن محسوس ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ ہم غلامی کی دلدل میں پھنستے چلے جا رہے ہیں اور اس کو قضا الٰہی کا نام دے کر اپنے مردہ اور بے حس ضمیر پر بے رحم کوڑے برسا رہے ہیں۔

معاشرتی، اخلاقی غلامی اور دیوالیہ پن کے ساتھ ساتھ ہم معاشی طور پر بھی غلام بن چکے ہیں بلکہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ معاشی لحاظ سے ہم کبھی آزادی کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوسکے۔ صرف ہم ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی ممالک معاشی لحاظ سے مغرب اور ان کے کارندوں کے غلام تھے اور اب بھی غلامی کی زندگی جی رہے ہیں اور احساس تک بھی باقی نہیں رہا کہ اس لعنت سے باہر نکلنے کی راہوں پر غور و خوض کیا جائے۔ غور و خوض کا عمل اگر شروع ہو چکا ہوتا تو اسی دن سے ہم درستگی کی جانب گامزن ہوتے لیکن ہمارے قلوب و اذہان ان کے ہاتھوں میں ایسے جکڑے ہوئے ہیں کہ جب چاہیں جس

طرف چاہیں بآسانی پھیرے جاسکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سوچ و بچار کا عمل بھی تعطل کا شکار ہے۔ اس معاشی غلامی کی ایک ہی وجہ ہے کہ پوری دنیا پر مغربی قوتوں کا تسلط ہے۔ ماضی میں یا عصرِ حاضر میں جتنے بھی معاشی مسائل سامنے آتے ہیں وہی عقلِ انسانی ان مسائل کے حل کیلئے مختلف راہوں پر رختِ سفر باندھتی ہے لیکن ہم بحیثیت قوم اپنی عقل پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالنا پسند نہیں کرتے بلکہ مغرب کی پامال کردہ راہوں پر چلتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ معیشت کے ساتھ ساتھ ہماری اخلاقیات اور تہذیب کا بھی جنازہ اٹھتا ہے۔ چند فطری اور قدرتی معاشی مسائل ایسے سامنے آئے ہیں جن کے حل کیلئے ایک نظام کے تحت حل کرنے کی فکر ان آخری صدیوں میں کچھ زیادہ بڑھی اور ان مسائل کے حل کے لئے کئی متقابل نظریات وجود میں آئے۔ جیسے اہم معاشی مسئلہ ترجیحات کا تعین ہے کہ انسانی ضروریات اور خواہشات بیشمار جبکہ ان کے مقابلے میں وسائل انتہائی محدود ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ محدود وسائل سے تو لامحدود ضرورتوں اور خواہشوں کی تکمیل ممکن نہیں تو عقلِ انسانی کا فیصلہ یہ ہے کہ بعض ضروریات وخواہشات کو مقدم جبکہ بعض دیگر کو مؤخر کیا جائے۔

اب یہی ترجیحات کا تعین ہے کہ کس ضرورت کو مقدم کرنا ہے اور کس ضرورت کو مؤخر کرنا ہے تاکہ محدود وسائل کو استعمال کرتے ہوئے کثیر اور مہم ضروریات وخواہشات کو پورا کیا جائے۔ افراد کی طرح یہ مشکل ریاست کو بھی پیش آتی ہے کہ ریاست کیسے محدود وسائل سے کیسے لامتناہی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وسائل کی تخصیص دوسرا اہم معاشی مسئلہ ہے کہ ایک فرد یا ریاست کے ساتھ متعدد وسائلِ پیدوار ہیں لیکن ان کو کہاں اور کس مقدار میں استعمال کرنا ہے؟ اس کو معیشت کی اصطلاح میں ’’وسائل کی تخصیص‘‘ کہا جاتا ہے۔ پھر ان وسائل سے حاصل شدہ آمدنی اور سرمایے کو کیسے تقسیم کرنا ہے کہ ہر مستحق کو اپنا حق ملے سکے، اس کو آمدنی کی تقسیم کہتے ہیں اور یہ معیشت کا تیسرا بڑا مسئلہ ہے۔ چوتھا مسئلہ ترقی کا ہے کہ اپنے معاشی حاصلات کو معیار اور مقدار کے لحاظ سے کیسے بہتر کیا جائے۔

سوشل ازم: ان مذکور بالا مسائل کے حل کے لئے دو متضاد اور متقابل نظریات کیپٹل ازم (سرمایہ دارانہ نظام) اور سوشلزم (اشتراکی نظام) ہمارے سامنے آئے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے ان مسائل کا حل بہت سادہ سا تجویز کیا کہ انسان کو تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کیلئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اور اسے مکمل اختیار دیا جائے کہ وہ جس طریقے سے مناسب سمجھے زیادہ سے زیادہ نفع کمائے اور زیادہ سے زیادہ سرمایے پر قبضہ کرے تو یہ چاروں مسائل خودبخود حل ہوجائیں گے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کیپٹل ازم نے قانونِ رسد وطلب کا سہارا لیا ہے جو کہ قدرتی قانون ہے کہ بازار میں جس چیز کی رسد، طلب کے مقابلے میں زیادہ ہو تو اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے اور جس چیز کی طلب اس کے

رسد کے مقابلے میں بڑھ جائے تو اس کی قیمت خودبخود بڑھ جاتی ہے۔ ان کے فلسفے کے مطابق یہ قدرتی قانون ہی یہ طے کرتا ہے کہ کون سی چیز کس مقدار میں مہیا کی جائے۔ ترجیحات کے تعین میں بھی یہی قانون معاون ثابت ہوگا کہ ہر شخص چاہے اپنے منافع کے خاطر کام کر رہا ہے لیکن رسد و طلب کی قدرتی طاقتیں اس کو مجبور کرے گی کہ وہ معاشرے کی طلب اور ضرورت کو پورا کرے تو معاشرے میں فقط وہی چیزیں اسی مقدار میں پیدا ہوگی جس مقدار کی معاشرے کو ضرورت ہو اور یہی ترجیحات کا تعین ہے۔ آمدنی کی تقسیم میں سرمایہ دارانہ نظام آمدنی کا مستحق ہر اس کو قرار دیتا ہے جو کسی سطح پر پیدائش کے عمل میں شریک ہو۔ جیسے زمین، محنت، سرمایہ اور آجر یا تنظیم، انہی پر آمدنی تقسیم ہوگی کیونکہ پیدائش کا عمل ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتا لہٰذا حاصل شدہ آمدنی بھی ان کا حق ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ آمدنی کو کس مقدار و معیار میں تقسیم کرنا چاہیے؟ تو اس سوال کے جواب میں سرمایہ دارانہ نظام پھر قانونِ رسد و طلب کا سہارا لیتے ہوئے یہ حل تجویز کرتا ہے کہ جن عوامل کی طلب زیادہ ہو ان کو منافع بھی زیادہ ملنا چاہیے اور طلب کی کمی کے باعث منافع میں بھی مناسب کمی ہونی چاہیے۔ باقی رہا ترقی کا مسئلہ کہ اپنی پیدوار میں کما و کیفا اضافہ کیا جائے تو اس کیلئے ہر فرد کو آزاد چھوڑنا چاہیے تاکہ قانونِ رسد و طلب ان کو آمادہ کرے کہ وہ نئ سے نئ اور بہتر سے بہتر کوالٹی میں اشیائے ضروریات بازار تک پہنچائیں اور کوئی غیر موافق قوت ان کی راہ نہ روکے۔ فرد کو آزاد چھوڑنے کا نقد اور فوری فوائد اسی صورت میں معاشرے کے سامنے آئیں گے کہ اعلیٰ اور بہترین کوالٹی کی ضروریاتِ زندگی ہر خاص و عام کی دسترس میں ہوں گے یعنی فرد کی معاشی میدان میں آزادی ناگزیر ہے یہی وجہ ہے کہ پرائیویٹ پراپرٹی، ذاتی منافع کا محرک اور حکومت کی عدمِ مداخلت ہی سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصول ہے، اگرچہ اس تیسرے اصول پر کما حقہ عمل ممکن نہ ہوسکا اور بعد میں سرمایہ دارانہ مما لک نے رفتہ رفتہ اس پالیسی کو محدود کیا اور حکومت ان پر اثر انداز ہوتی رہی جس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت اس تیسرے اصل پر عمل کرنے میں ناکام ثابت ہوئی کیونکہ مداخلت کی یہ صورت تو ہر روز دیکھنے کو ملی کہ حکومت بعض ذرائع اور وسائلِ پیدوار کی حوصلہ افزائی کرتی رہی اور بعض دیگر کو دیوار سے لگانے کیلئے ہر قسم کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ کیپٹل ازم کے ردعمل میں سوشلزم یعنی اشتراکیت وجود میں آئی کہ کیپٹل ازم میں معیشت کے تمام مسائل کو رسد و طلب کی اندھی بہری طاقتوں کے حوالے کیا جس میں فلاحِ عامہ اور غریبوں کی بہبود وغیرہ کا کوئی واضح اہتمام نہ تھا۔ بالخصوص آمدنی کے تقسیم میں انھوں نے غیر منصفانہ رویہ اختیار کیا۔ سوشلزم نے معاشی مسائل کو بھانپتے ہوئے ان کے حل کیلئے یہ فلسفہ پیش کیا کہ بنیادی خرابی یہاں

سے پیدا ہوئی کہ وسائلِ پیدوار کو لوگوں کی انفرادی ملکیت قرار دیا گیا حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ تمام وسائلِ پیدوار افراد کے شخصی ملکیتوں کے بجائے ریاست کی اجتماعی ملکیت میں ہوں تو ریاست یہ فیصلہ بہتر کرسکتی ہے کہ کل وسائل کتنے ہیں؟ معاشرے کی ضروریات کیا کیا ہیں؟ اور کن ضروریات کو مقدم اور کن کو مؤخر ہونا چاہیے؟ وغیرہ وغیرہ! باقی رہا آمدنی کی تقسیم تو سوشلزم کے فلسفے کے مطابق حقیقتاً عواملِ پیداوار دو ہیں، زمین اور محنت۔ اب زمین چونکہ انفرادی ملکیت میں ہے نہیں کہ اس کا معاوضہ طے کیا جائے باقی صرف محنت رہ جاتی ہے تو اس کا فیصلہ ریاست وحکومت اپنی جامع منصوبہ بندی کے تحت کرے گی کہ مزدور کو محنت کا کتنا مناسب نفع ملنا چاہیے۔ فرد کو آزاد کر کے کہیں معاشی خرابیوں نے سر اٹھایا اور سرمایہ اور دیگر وسائل سمٹ کر مخصوص طبقے کے ہاتھوں میں آ گئے لہذا ان کی اجارہ داریوں کو ختم کرنے کیلئے یہ اقدام ضروری ہے کہ فرد کو ہر قسم کی ملکیت سے بیدخل کر کے تمام وسائلِ پیدائش کو قومی اور اجتماعی ملکیت میں لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سوشل ازم کی بنیاد اجتماعی ملکیت، منصوبہ بندی، اجتماعی مفاد اور آمدنی کی منصفانہ تقسیم پر رکھی گئی ہے اور سوشل ازم میں ذاتی و شخصی ملکیت کا تصور ہی نہیں! یہ سوشل ازم کے خود ساختہ فلسفے کے خلاف ہے کہ کوئی فرد پرائیویٹ پراپرٹی کا مالک بن کر دونوں ہاتھوں سے سرمایہ جمع کرتا رہے بلکہ تمام وسائلِ پیدوار اور دیگر ذرائع حکومت کے تحویل میں ہوں گے اور فرد کو مناسب معاوضہ دیا جائے گا جس سے وہ دو وقت کی روٹی کھا سکے۔ یہ دو باطل اور باہمی متصادم نظریات کے نتائجِ بد پوری دنیا نے دیکھے اور ان کے قبیح اثرات ایک ایک کر کے سامنے آ رہے ہیں کہ ان دونوں کے مابین قدرِ مشترک انسانی حقوق کا استحصال ہے جس کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اب ان کے اپنے پیروکاروں پر بھی واضح ہوگیا کہ کیپٹلزم نے کیسے ایک فرد کو منافع کے حصول میں بے لگام اور آزاد چھوڑا کہ وہ حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر سرمایہ جمع کرتا رہے، اور اس اندھیر نگری میں امیر کیسے امیر تر بنتا گیا اور غریب مزید غربت کے دلدل میں جا پھنسا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں سوشل ازم نے فرد کو اتنا گھونٹ دیا کہ اس کی فطری آزادی بھی سلب ہو کر رہ گئی اور ہر جگہ سرکار کی منصوبہ بندی کو ہر مرض کا علاج قرار دیا۔ فطری اور پیدائشی حق سے محروم کر کے سوشل ازم نے انسانی وقار کے ساتھ مضحکہ خیز کھلواڑ کیا اور کچھ لوگ اس کارنامے پر بھی خوشی کے شادیانے بجاتے رہے۔

سرمایہ دارانہ نظام نے اپنی پالیسوں کی مدد سے بکثرت شخصی اجارہ داریوں کی راہ ہموار کی تو سوشل ازم نے اس سے بڑھ کر برسرِ اقتدار ٹولے کو پورے وسائل پر قابض کیا یعنی سرمایہ دارانہ نظام نے چھوٹے چھوٹے سرمایہ دار پیدا کئے تو اشتراکی نظام نے ان سب کا خاتمہ کر کے ایک بڑے سرمایہ

دار گروہ کی حوصلہ افزائی کی۔کیپٹل ازم نے سرمایے کی تحصیل کیلئے دوڑ دھوپ اور محنت کو فروغ دیا تو سوشل ازم نے سستی اور کاہلی کی راہیں ہموار کیں جس میں ذاتی جذبہ کارکردگی ماند پڑ گیا اور انسان کی فطری صلاحیتیں ضائع و برباد ہوگئی۔کیپٹل ازم نے ریاست اور حکومت کو معاشی مسائل سے باہر پھینکا تو سوشل ازم نے انتہائی جابر اور طاقتور ریاست کو مداخلت کی دعوت دی کہ ہمہ گیر ریاست کے ریاستی جبر کے بغیر سوشل ازم کا وجود نامکمل ہے۔یعنی سوشل ازم مبینہ طور کیپٹل ازم کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئی لیکن مرض کے اسباب کی ٹھنڈے دل و دماغ سے تشخیص نہ کرسکی اور معاملے کی دوسری انتہا پر جا کھڑی ہوئی جو اس سے بڑھ کر خطرناک ہے۔جبکہ اس کے برعکس اسلام کا منصفانہ معاشی نظام اور عدلِ عمرانی کی شاہراہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان سے گزرتی ہے۔

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیپٹل ازم اور سوشل ازم کے مقابلے میں اسلام کا معاشی نظام جس کو پوری انسانیت کیلئے امن و اطمینان کا ضامن بتلایا جاتا ہے وہ نظام کیا ہے؟ درحقیقت اسلام کا معاشی نظام کوئی خالص نظری فلسفہ نہیں ہے بلکہ یہ نظام سینکڑوں سال تک دنیا پر عملی طور پر نافذ بھی رہا ہے اس کی برکتوں کا دنیا مشاہدہ کر چکی ہے لیکن یہاں یہ وضاحت پیش کرنا ضروری ہے کہ اسلام کوئی معاشی نظام نہیں بلکہ اسلام ایک دین ہے جس کے احکام ہر شعب زندگی سے متعلق ہے جس میں معیشت بھی داخل ہے۔اب دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معیشت کے میدان میں بھی اسلامی تعلیمات موجود ہے، جس پر غور کرنے سے ایک مستحکم اور مضبوط معاشی فلسفہ سامنے آتا ہے۔اسلام نے بازار کے قوتوں یعنی رسد و طلب کے قوانین کو تسلیم کیا ہے اور ان کے باہمی کشمکش اور باہمی امتزاج سے ایک متوازن معیشت کی یقین دہانی بھی کرائی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ کیپٹل ازم میں اس محرک کو بالکل آزاد چھوڑا گیا جس کے نتیجے میں بے شمار خرابیوں نے جنم لیا جبکہ اسلام نے ذاتی منافع کے محرک کو برقرار رکھتے ہوئے تجارتی اور معاشی سرگرمیوں پر چند ایسی پابندیاں عائد کردی جس پر عمل کرنے سے معیشت متوازن رہے گی۔ان میں اول چند حلال وحرام کی ابدی پابندیاں ہیں جو ہر زمانے ہر جگہ نافذ العمل ہیں، مثلاً سود، قمار، اکتناز و احتکار وغیرہ کیونکہ یہ چیزیں عموماً اجارہ داریوں کے قیام کا ذریعہ بنتی ہیں اور ان سے معیشت میں ناہمواریاں پیدا ہوتی ہے۔

موجودہ دور میں بیشتر سرمایہ دار ممالک بھی ذاتی منافع کے محرکات پر کچھ نہ کچھ پابندیاں ضرور عائد کرتے ہیں لیکن وہ چونکہ وحی الٰہی سے مستفید نہیں ہوتیں اسلئے وہ متوازن معیشت کے قیام کیلئے کافی نہیں ہوتیں۔اس کے ساتھ ہی اسلامی شریعت نے حکومتِ وقت کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ عموماً مصلحت کے تحت ایسی چیز یا فعل پر پابندی عائد کرسکتی ہے جو حرام تو نہ ہو بلکہ مباحات کے دائرے میں

آتی ہو لیکن اجتماعی خرابی سے بچنے کیلئے ان پر پابندی لگانا جائز ہے۔اس اصول کے تحت حکومت تمام معاشی سرگرمیوں کی نگرانی کرسکتی ہے اور جن سرگرمیوں سے معیشت میں ناہمواری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ان پر مناسب پابندی عائد کرنا حکومت کے وسیع تر اختیارات میں شامل ہے۔ اور اس کے ساتھ چند اخلاقی پابندیاں بھی عائد کی گئی کہ معاشی سرگرمیاں اور ان سے حاصل ہونے والے مادی فوائد انسان کے زندگی کا منتہائے مقصود نہیں بلکہ مقصود آخرت کی فلاح ہے، جس کے لئے انسان کو ہر دم تیاری کرنی چاہیے۔ ان قانونی پابندیوں کے ساتھ اسلام بحیثیتِ مجموعی جس ذہنیت کی تعمیر کرتا ہے اس کی بنیاد سنگدلی، کنجوسی، بیرحمی اور خودغرضی کے بجائے ہمدردی، فراخ حوصلگی، سخاوت اور سب سے بڑھ کر خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پر استوار ہوتی ہے۔

مملکتِ خداداد پاکستان کی تباہ حال معاشی نظام پر جس زاویے سے بھی غور کیا جائے، تباہی کی تقریبا ایک ہی وجہ کھل کر سامنے آتی ہے کہ معاشی نظام میں ہم نے مجموعی طور پر اسلامی تعلیمات کو پسِ پشت ڈالا ہے۔ جیسا کہ حال ہی میں وفاقی شرعی عدالت نے سود کے خلاف تاریخی فیصلہ دیا جس سے معاشی دلدل میں پھنسے عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ساتھ ہی بہت افسوسناک امر یہ بھی پیش آیا کہ سود کے خلاف شرعی عدالت کے فیصلے کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان، نیشنل بینک، مسلم کمرشل بینک اور دیگر نجی بینکوں نے سپریم کورٹ میں چیلنج کیا اور اس کے خلاف اپیل دائر کی جس سے عوام میں شدید غم وغصہ پھیلا۔ عوام کا غصہ ایمانی غیرت کا تقاضہ ہے جبکہ اس تاریخی فیصلے کے خلاف اپیل ان لوگوں کی کمزوری ہے جو مدتوں عوام کے خون پسینے کی کمائی پر پل رہے ہیں لیکن ایک مشترکہ اور اتحادی حکومت میں دیگر سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو اعتماد میں لئے بغیر اس قانونی جنگ میں پڑنا باعثِ تشویش ضرور ہے۔ سود کی حرمت قطعی ہے اور قرآن کریم میں جس سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اس کے مفہوم میں کوئی گنجلک یا اشتباہ نہیں۔ قرآن کریم کے نصوص اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی مسلمان بھی سود کے معاملے میں لیت ولعل سے کام نہیں لے سکتا۔ شریعتِ اسلامیہ نے سود کے تمام طریقوں کو حرام قرار دیا ہے اور شبہِ سود سے بھی بچنے کا حکم دیا ہے۔ موجودہ دور میں ہونے والی ترقی اور تبدیلیوں کے پیشِ نظر سود کی کوئی نئی تشریح ممکن نہیں کیونکہ جس چیز کی تشریح وتوضیح خود قرآن وحدیث نے کی ہو، جس پر فقہائے صحابہ وتابعین متفق رہے ہوں اور جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہوں اس کی نئی تشریح قرآن وحدیث کی تحریف کا دوسرا نام ہے۔

آج کل یہ بحث عام ہے کہ اگر سود کو ختم کیا جائے تو متبادل نظام کیا ہے؟ متبادل نظام پیش کرنے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ سودی بینکاری کا متبادل تلاش کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہونا

چاہیے کہ مروجہ بینک جتنے کام جس انداز سے کر رہے ہیں وہ سارے کام کم وبیش اسی انداز سے انجام دیئے جاتے رہیں اور ان کے مقاصد میں کوئی فرق واقع نہ ہو، کیونکہ اگر سب کچھ وہی کرنا ہے جواب تک ہوتا رہا ہے تو متبادل طریقِ کار کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ مروجہ سسٹم انہی خطوط پر استوار ہو جس پر صدیوں سے گامزن ہے اور نتائج اسلامی اور شرعی تعلیمات کے موافق ہو بلکہ متبادل کا مطلب یہ ہے کہ بینک کے جو کام موجود تجارتی حالات میں ضروری یا مفید ہیں ان کی انجام دہی کیلئے ایسا طریقِ کار اختیار کیا جائے جو شریعت کے اصولوں کے دائرے میں ہو اور جس شریعت کے معاشی مقاصد پورے ہوں اور جو کام شرعی اصولوں کے مطابق ضروری یا مفید نہیں ہے اور جنہیں شرعی اصولوں کے مطابق ڈھالا نہیں جاسکتا، ان سے صرف نظر کیا جائے جو معاشی تقاضے اور ضروریات ناگزیر ہو ان کے لئے اولا تو شرعی راستہ تلاش کرنا ہوگا بصورت دیگر آگے بڑھ کر ان کو ترک کرنا ہوگا تاکہ مستحکم معاشی نظام کے لئے ابتدائی قدم یہی سے اٹھایا جائے۔

سودی بینکاری کے متبادل نظام کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل نے بہت عرصہ پہلے کئی بار متفقہ معاشی اصلاحات کے نکات پیش کیے ہیں، جنہیں ماہرینِ معیشت نے نہ صرف قابلِ عمل بتلایا بلکہ ایک مضبوط اور مستحکم معیشت کا ضامن بھی یہی متبادل نظام تجویز کیا؛ لیکن ملک کے مقتدر قوتوں نے آئیں بائیں شائیں سے کام لے کر ان کو فائلوں تلے دبا دیا۔ راقم کی محدود معلومات کے مطابق غالبا ۱۹۸۰ء سے قبل بھی ملک بھر کے ۱۱۸ نامور اور مقتدر علما کرام نے ۲۲ نکات پر مشتمل اسلامی معاشی اصلاحات کا ایک متفقہ خاکہ تیار کیا تھا جس کو عوامی حلقوں میں کافی پزیرائی ملی اور متعدد بار وہ قومی اخبارات میں بھی شائع ہوتا رہا اور یہ خاکہ جزی طور پر زیرِ غور بھی رہا جس کے نتیجے میں جنوری ۱۹۸۱ء کو بلاسود بینکاری کا آغاز ہوا اور ایک نئے سکیم کے تحت غیر سودی کانٹر کھول دیئے گئے۔ یہ فیصلہ بظاہر سودی نظام کے خاتمے کے حوالے سے انتہائی خوش آئند اقدام تھا لیکن اس مجوزہ سکیم کا جب باریک بینی سے مطالعہ کیا گیا اور اس کی فقہی حیثیت علمائے کرام کے مجالس کا موضوع بنی تو یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ حکومت اس تعفن زدہ معاشی گندگی پر عطر چھڑک کر اور کچھ خوش نما پالش لگا کر اور اس گندگی کو دیدہ زیب عنوان کے تحت مزید استعمال کرنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد وقتا فوقتا سودی بینکاری کے متبادل کے طور پر کئی معاشی پلان علمائے کرام اور معاشی ماہرین نے باہمی مشاورت سے تیار کئے اور آج بھی اس قسم کے مثبت اور تعمیری تجویزات سامنے آ رہے ہیں لیکن اس پر عمل کرنے کی کوئی خاص پیش رفت نظر نہیں آتی۔ سیدھی سی بات ہے کہ بلاسود بینکاری کی اصل بنیاد نفع ونقصان کی تقسیم پر ہوگی اور بینک کا بیشتر کاروبار شرکت یا مضاربت پر مبنی ہوگا، البتہ جن کاموں میں شرکت یا مضاربت کارآمد نہ ہو وہاں متبادل راستے تجویز کئے جاچکے ہیں جس میں آسان راستہ بیع مؤجل کا ہے، جو

اسلامی نظریاتی کونسل کا ماضی میں پیش کردہ اصلاحاتی رپورٹ کا بنیادی اور اہم نکتہ بھی تھا کہ بینک سود پر قرض دینے کے بجائے صارف کو مطلوبہ چیز بازار سے خرید کر مناسب نفع پر فروخت کریں اور معینہ مدت کے بعد وہ رقم وصول کرنے کیلئے مناسب منصوبہ بندی کریں۔ یہ متبادل حل صرف عارضی طور پر پیش کیا گیا تھا جس میں خاص شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی تھی لیکن عصرِ حاضر میں اس سے بڑھ کر جدید اور سود کے عنصر سے یکسر صاف و شفاف تجاویز بھی ماہرین پیش کر چکے ہے جن پر موثر عمل درآمد کی صورت میں سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنا نہ صرف ممکن ہے بلکہ انتہائی سہل اور آسان بھی ہے لیکن سوال پھر وہی ہے کہ کیا ہم حقیقی معنوں میں اس معاشی غلامی سے نکلنا بھی چاہتے ہیں یا صرف پولیٹیکل پوائنٹ سکورنگ کے لئے اس مسئلے کو ہوا دے رہے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ حکمران جماعت یا اس کے اتحادی اس فیصلے کو اسلامی تعلیمات کے موافق سمجھ کر صدقِ دل سے تسلیم بھی کر رہے ہیں یا صرف عدالت کا حکم سمجھ کر چپ سادھ لی ہے؟ لیکن اتنا ضرور سمجھتا ہوں کہ تمام سیاسی جماعتیں اس گندگی سے فی الفور ہاتھ بند نہیں روک سکتے۔

سودی نظام میں دولت اور سرمایے کا رخ ایک جانب گامزن ہوتا ہے جس کی اکثریت ہمارے پارلیمان میں براجمان ہیں لیکن سودی نظام کی استحصالی کاوشیں بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ سرمایہ دار گروہ اس فرسودہ، حرام اور غیر اخلاقی سرگرمی کو طول دینے کے درپے ہیں کہ یہ تعفن زدہ معاشی نظام جاری رہے تاکہ ان کی تجوریاں بھری اور زرق برق رہے لیکن دوسری جانب اس کمرتوڑ معاشی سسٹم نے غریب عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے اور قرضوں تلے دبتے غریب عوام حسرت بھری نگاہوں سے اپنے نمائندوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہمیں اس اذیت سے نجات دلانے میں کوئی کردار ادا کریں گے۔ ملک میں موجود سیاسی عدمِ استحکام اور اخلاقی بحران بھی اس فیصلے پر کافی اثر انداز ہو رہا ہے کہ جدی پشتی کے مخالفین اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے اس شرعی مسئلے کو آڑ بنا کر گیند کی طرح فضا میں اچھال رہے ہیں لیکن اس کے سنگین نتائج ان کے نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ یہی ہماری ملکی سیاست کا طرہ امتیاز ہے کہ ہم سیاسی مقاصد کے لئے ملکی سالمیت تک کے ساتھ کھیل جاتے ہیں اور باز پرس کا خوف بھی دامن گیر نہیں ہوتا لیکن اس مسئلے کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے تمام پولیٹیکل پارٹیوں کو سیاسی اختلاف بالائے طاق رکھ کر، سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر کردار ادا کرنا ہوگا تاکہ ملک میں ایک مستحکم معاشی نظام کی راہ ہموار ہو اور اسلامی و شرعی اصولوں پر استوار معاشی نظام کا قیام ممکن ہو اور ساتھ ہی مذہبی جماعتوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس فیصلے کا کریڈٹ بٹورنے کے بجائے سنجیدگی اور سکون کے ساتھ اس پیش رفت کو آگے بڑھائیں تاکہ سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

جناب الطاف جمیل شاہ (کشمیر)
معروف اسکالر

مسلم معاشرہ اور حجاب

حجاب اسلامی شعائر میں سے ایک اہم جز ہے جو یہ واضح کرتا ہے کہ خواتین اسلام کوئی تماشہ کی چیز نہیں لذت دید کا کوئی تماشہ نہیں بازاروں کی زینت نہیں یہ ایک باوقار طبقہ ہے جن کی عزت و تکریم حد درجہ لازم ہے اسلامی تعلیمات میں خواتین پردے کی چادر میں ہوں تو غلیظ نظروں کا نشانہ نہیں بنتی یہ ان غلیظ قسم کی مخلوق کی ہوس بھری نگاہوں کے لیے تسکین نہیں بنتی اسلام نے اسے ماں بہن بیٹی اور بیوی جیسے رشتے کی ڈور میں باندھ کر اسے عزت و وقار کے ساتھ جینے کی تعلیم دی اور مرد باپ بھائی شوہر بیٹا ان کے ذمہ اس کی خدمت رکھ دی کہ تمہیں اپنے مال سے اپنی کمائی سے ماں بہن بیٹی بیوی کو بھی حصہ دینا ہی دینا ہے خواتین آرام و آسائش سے اپنے گھروں کی دیکھ بھال کرتی رہیں گئیں ان کے چہرے پر مارنے سے اس کے جسم پر زور کی مار مارنے سے منع کیا ان کی خوشنودی ان کی محبت ان کا ساتھ پانے کے لیے تعلیمات دیں۔

خواتین کی حالت قبل اسلام کے کیا تھی دنیا کے اہل علم یا تاریخ سے واقف لوگ بخوبی واقف ہیں مختلف مذاہب نے عورت کو کیا کیا سہولتیں مراعات دی ہیں وہ تاریخ کے طالب علم کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے پر اسلام کے اصول وضوابط میں جو حقوق اسے تفویض کئے گئے ہیں وہ آشکارا ہیں۔ یہ عام مسلمانوں نے جب سے مغرب کہ آغوش میں پڑنا سیکھ لیا انہیں اپنے عظمت ذلت دیکھائی دی انہیں اپنے وقار سے عناد پیدا ہونے لگا اور یوں جہاں یہ مختلف شعائر سے باغی ہوئے وہیں مائیں بہنیں اور بیٹیاں بازار کی رونق بننے کو ترجیح دینے لگیں اور ایک ایسا ماحول بنتا گیا جس نے حیا کی چادر چھین لی اور عفت و پاکیزہ مزاجی سے متنفر کردیا اسے اور اب حال کچھ یوں ہے،مثال کل جب بازار سے گزرا اور اچانک نظر جو پاس سے گزر رہی بنت حوا پر پڑی تو حجاب یاد آیا، میں نے جب سیرو فی الارض پر عمل کی خاطر پارک اور قدرتی نظاروں کو دیکھنا چاہا تو وہاں

حجاب یاد آیا۔شادی بیاہ یا نجی تقریبات میں جب مرد و خواتین کا ملن دیکھا تب مجھے حجاب یاد آیا۔میں گھر میں ہوں بہن بیٹیاں سامنے گھوم رہی تھیں کچھ غیرمحرم بھی تھے میرے پاس تو میں نے ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ حجاب اور عفت کی بات کروں کیوں کہ میرے گھر کی پڑی لکھی خواتین کہتی ہیں کہ پردہ دل کا ہونا چاہیے اور ان کی منطق کو میں نے مان بھی لیا کہ یہ بھی تو کچھ اچھا ہی سوچتی ہیں اور یوں اس پاکیزہ سوچ اور فکر کا دامن سکڑتا رہا اور امت اپنے تہذیبی ورثے کو معاشرے اور سماج میں مضبوطی سے پکڑنے اور ماننے سے عار محسوس کرنے لگی ہم اخلاقی دیوالیہ پن اور فکری پستیوں کی ایسی اندھیری راہ پر بہت آگے نکل چکے ہیں جہاں سے واپسی کا سفر گرچہ ناممکن نہیں پر آسان بھی نہیں ہے ہم فکری دیوالیہ پن کے شکار ہوگئے ہیں ہم نے اسلامی افکار ونظریات کو مساجد تک سے نکال دیا ہے۔

میری گزارشات کڑوی ہیں پر میں وہ آئینہ لے کر آیا ہوں جس نے ہمیں وہ دن دیکھائے جن کا تصور بھی ممکن نہیں تھا قرون اولی میں پردے کی بات کریں تو ہم نے اپنے افعال اور سماجی سطح پر یہ چیز بتا دی ہے کہ یہ اسلامی اصولوں کا لازمی جز نہیں ہے ہم نے روزمرہ معاملات میں اسے دقیانوسی تہذیب بتایا ہے پردہ اسلامی اصول ہے کون بتائے گا؟ کیا یہ بات عیاں نہیں کہ اب مسلم دنیا کی اکثریت اس کی رعایت نہیں کرتی تو کیا پوچھا جاسکتا ہے اہل علم سے کہ غیروں کو کیا ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات افکار ونظریات کو پڑھیں گے اور پھر مسلمانوں کے اصولوں کی رعایت کریں گے۔وہ کیوں کر اسلامی تہذیب وتمدن کے اصول وضوابط کی پاسداری کریں ہم نے تو اپنے حرکات وسکنات سے واضح کردیا ہے کہ یہ کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔

اوپر سے ایک اور ستم یہ بھی کہ اصل اہل علم مصلحت کی چادر کے سایہ میں ہی عافیت محسوس کرتے ہیں اور انتہائی بد دیانت لاعلم جاہل و گنوار لوگ مسلم نام کے ساتھ اسلام کی نمائندگی کرنے کے لیے ہانپ رہے ہوتے ہیں اور جہاں مختلف باتوں کو توڑ مروڑ رہے ہیں وہیں اسلامی پردے کے بھی مخالف ہیں۔ان میں سے کچھ خواتین بھی لمبی زبان نکال نکال کر اپنی اپنی بیہودہ اور غلیظ افکار کو بیان کرتی ہیں ان کے لیے عرض ہے پردہ شعائر اسلامی ہے پر اس کے احکام عام نہیں ہیں بلکہ خواص کے لیے ہی ہیں وہ خواتین جنہوں نے اپنی شرم و حیا کی چادر پھینک دی ہے حق یہی ہے کہ

پردے کی تعلیم ان کے لیے ہے ہی نہیں بلکہ اس کے لیے لازم ہے کہ جو پردے کی آغوش میں رہنا چاہتی ہیں وہ اپنے کردار اپنے اخلاقیات کے لحاظ سے حضرت فاطمہؓ اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی عظیم خواتین کی پیروکار ہوں ان کی بیٹیاں ہونے پر انہیں فخر ہو گر اخلاقی دیوالیہ پن کی شکار خواتین چادر حیا کو غیر ضروری کہتی ہیں تو اس میں غلط کچھ بھی نہیں، اب جو مرد پردے کی آڑ میں اونچی چھلانگ لگانے کے لیے اچھل کود کر رہے ہیں ان سے التماس ہے کہ پردہ بتانے کی چیز نہیں ہے کرنے کے چیز ہے، آیئے! عہد کرتے ہیں ہم اس پردے کا اہتمام اپنے گھر کی خواتین سے کرتے ہیں اور اسے فروغ دینے کی ہر کاوش کا ساتھ دینے کا عہد کرتے ہیں۔

یاد رکھیں! یہ زمانہ تہذیبی تصادم آرائی اور افکار کی جنگ کا زمانہ ہے جہاں جذبات و احساسات کی کوئی قدر و قیمت نہیں جہاں آپ کے افکار و نظریات کی تب تک کوئی حیثیت ہی نہیں جب تک آپ اپنے معاشرے اور سماج میں ان افکار و نظریات کی پاسداری عمل آوری اور تحفظ کی طرف توجہ نہیں دیں گے، یہاں میڈیا سے لیکر نجی مجالس تک اسلامی شعائر پر ضربیں لگائی جاتی ہیں اور ہمارا مذہبی طبقہ ابھی جمود کا شکار ہے وہ نئی امنگوں اور نئی راہوں پر چلنے کے لیے یا تو آمادہ ہی نہیں ہے یا اس قدر بے بس کہ وہ اسلامی علوم و نظریات کی ترویج کو پیش کرنے سے عاجز آچکا ہے اور شکست خوردہ ذہنیت کا غماز ایسے میں کیا کیا جاسکتا ہے ہماری پستیوں اور پسپائیوں کا حل یہی آج بھی ہے کہ شرح صدر اور پورے اخلاقی اقدار کے ساتھ اپنی تہذیبی روایات اور سماجی افکار کی آبیاری کرنے کی راہ پر چل پڑیں اور فخر یہ کہیں کہ ہم مسلمان ہے اور ہمارا تعلق اس نظریے سے ہے جس کی بنیاد اسلامی تعلیمات کے ساتھ موجود ہے پر اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم نیم ملائیت کے خول سے آگئے بڑھ جائیں جو آج بھی ایسے مباحث میں مصروف ہیں جن کا دین سے کم اور مسلکی افکار سے زیادہ تعلق ہے گر ان نیم خواندہ ارباب مناظرہ سے امت اپنی گردن آزاد کرتی ہے تو یہ ابتدائی سطح کی بہت بڑی کامیابی ہوگی دوسری بات کہ جاہل دانشوروں اور فرسودہ ذہنیت کے دانشوروں کے خول سے نکلنا ہوگا اور انہیں پیچھے دھکیل کر نئے جذبہ سے سرشار ہوکر چلنا ہوگا مغربی افکار سے مرعوب ذہنیت کے دانشور بھی سم قاتل ہیں یہ سب سمجھ جائیں ہم تو بہت حد تک تحفظ اسلامی علوم کی راہ بن سکتی ہے، ورنہ دو دن کے آنسو اور اچھل کود ہمارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔

صاحبزادہ عبدالحق ثانی

دارالعلوم کے شب وروز

جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں جدید سیکورٹی روم کا آغاز

جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں حفاظتی اقدامات اور نظم ونسق کو بہتر کرنے کی پیش نظر جدید ''دارالتدریس'' بیادحضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ میں سی سی ٹی وی کیمروں کا مرکزی سیکورٹی روم کا آغاز ۲۴؍جولائی ۲۰۲۲ء بروز اتوار اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے عم محترم مدیر''الحق'' مولانا راشد الحق صاحب نے اس کا باقاعدہ افتتاح کیا۔اس سیکورٹی روم (سی سی ٹی وی کنٹرول روم) میں جامعہ کے تمام ہاسٹلز، درسگاہوں، دفاتر اور مرکزی دروازوں کی نگرانی کی جائے گی نیز طلباء کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے کی خاطر درسگاہوں اور ہاسٹلز وغیرہ میں''جدید وائس سسٹم''(ڈی وی ڈی اوسمارٹ کلاس روم وائس سسٹم) کا انتظام بھی کیا جارہا ہے (ان شاء اللہ)اس کنٹرول روم میں ایک ڈیوٹی اہل کار کے ساتھ ناظمین جامعہ بھی نگرانی کا فریضہ سرانجام دیں گے۔اب تک جامعہ میں تقریباً ۱۳۰؍کے قریب کیمرے نصب کئے جاچکے ہیں جبکہ مزید ۷۰ کیمروں پر بھی کام جاری ہے۔(ان شاء اللہ)، دارالعلوم کی تعمیر وترقی اور سیکورٹی کے پیش نظر اس اہم باب کا اضافہ اہم ثابت ہوگا۔

شعبہ''تخصصات'' میں معزز مہمانوں کی آمد اور لیکچرز

بروز پیر یکم اگست کو دارالعلوم حقانیہ کے شعبہ تخصصات کے زیر اہتمام ملک کی معروف مذہبی وعلمی شخصیت حضرت مولانا سجاد الحجابی صاحب تشریف لائے اور انہوں نے دارالعلوم کے جدید اکیڈمک بلاک موقوف علیہ کے وسیع ہال میں''تخصص فی الدعوۃ والارشاد''،''تخصص فی الفقہ والحدیث''، ''تخصص فی اللغۃ العربیۃ'' اور دیگر درجات کے طلبا کو''علم الکلام کی اہمیت وضرورت'' پر تعارفی تفصیلی دو گھنٹے پر محیط لیکچرز دیئے۔

۲؍اگست بروز منگل: کراچی کی معروف علمی شخصیت مولانا فضل سبحان صاحب دارالعلوم تشریف لائے، آپ نے شعبہ تخصصات میں''عصر حاضر کے چیلنجز'' ودیگر اہم موضوعات پر فضلاء وعلماء کو اہم تفصیلی لیکچر دیا۔آپ کے ہمراہ مولانا عارف حسین، مولانا فضل رازق حقانی اور حضرت

کے صاحبزادے بھی تھے۔

۴ ؍اگست بروز جمعرات کو راولپنڈی کے مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل طورو صاحب نے جامعہ حقانیہ کے شعبہ ''تخصص فی الدعوۃ والارشاد'' میں دو گھنٹے پر محیط (فن مناظرہ) پر طویل لیکچر دیا اور اپنے وسیع تجربات سے طلباء کو روشناس کرایا۔

بروز بدھ ۲۹ جون ۲۰۲۲ء کو مفتی ڈاکٹر شوکت اللہ خٹک کی جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، آپ نے ''تخصص فی الدعوۃ والارشاد'' کی درسگاہ میں تقریباً سوا گھنٹہ علمی محاضرہ (لیکچر) دیا۔

معزز مہمانوں نے شعبہ تخصصات کے نگران حضرت مولانا راشدالحق سمیع صاحب کے دفتر میں ان سے ملاقاتیں کیں اور دارالعلوم میں لیکچرز کے مدعو کرانے پر ان کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔

حضرت نائب مہتمم صاحب کی مصروفیات

۲۷مئی: والد محترم حضرت مولانا حامد الحق حقانی صاحب مدظلہ اسلامی نظریاتی کونسل کے زیر اہتمام محرم الحرام میں امن و امان کے حوالے سے پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے جید علمائے کرام کے اہم اجلاس میں شرکت کے لئے اسلام آباد تشریف لے گئے اور اجلاس سے خطاب بھی فرمایا۔

۳ ؍اگست: جمعیت علما اسلام (س) کی مرکزی مجلس شوری کا اہم انتخابی اجلاس حضرت مولانا حامد الحق حقانی صاحب مدظلہ امیر جمعیت علما اسلام کی زیر صدارت جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں منعقد ہوا جس میں ملک بھر سے اراکین شوریٰ نے شرکت کی۔ اجلاس میں متفقہ طور پر حضرت مولانا حامد الحق حقانی صاحب مدظلہ کو بلا مقابلہ آئندہ پانچ سال کے لئے دوبارہ امیر منتخب کیا گیا اور مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحب کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔

۱۷ ؍جولائی: اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کے غیر ملکی طلباء کرام کے وفد جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور حضرت نائب مہتمم مولانا حامد الحق حقانی صاحب مدظلہ سے ملاقات کی اور جامعہ کا تفصیلی وزٹ کیا۔

شاہ منصور میں جمعیت علما اسلام (س) کے صوبائی رہنما مفتی ولی بہادر حقانی رحمہ اللہ کی یاد میں منعقدہ تعزیتی ریفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے اور بطور مہمان خصوصی پروگرام میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ بعدازاں جمعیت علما اسلام پنجاب کے رہنما مولانا اعظم حسین صاحب کی صاحبزادی کی تقریب نکاح میں شرکت۔

ادارہ

تعارف وتبصرہ کتب

● **امام بخاریؒ کا نظریہ تعلیم** تصنیف: حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب

ضخامت: ۳۰۳ ؍صفحات ناشر: مکتبہ العصر جامعہ عثمانیہ نوتھیہ روڈ پشاور 0348-0191692--0314-9061952

تعلیم وتعلم کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا ہے جو کہ اب تک جاری وساری ہے، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتعلم کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرز تعلیم اور طریقہ تدریس سے بھی امت کو روشناس کرایا اور فرمایا کہ ''مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج تدریس کو حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، ان محدثین میں امام بخاریؒ کا اسم گرامی نمایاں ہے، آپؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں تقریباً ۵۳ ابواب قائم کئے ہیں جس میں علم کی فضیلت و اہمیت، طرز تعلیم اور منہج تربیت سے متعلق احادیث کو بہترین انداز میں جمع فرمایا ہے۔ ہر دور میں صحیح بخاری کی شروحات لکھی جا چکی ہیں اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔فن تدریس کو سمجھنا واقعی ایک بڑی نعمت ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، ان خوش قسمت حضرات میں ہمارے مخدوم ومکرم حضرت الاستاذ مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ بھی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلوب تدریس اور تربیت کے بہترین اصولوں سے مزین فرمایا ہے کیونکہ انہوں نے صحیح بخاری کی کتاب العلم کو سمجھا اور تعلیمی الجھنوں کا حل نکال کر اسے عملی طور پر اپنایا اور اب ان احادیث کی تشریح کر کے طلبہ و مدرسین پر بھی احسان فرمایا۔

زیر تبصرہ کتاب ''امام بخاریؒ کے نظریہ تعلیم''، میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے جہاں بخاری شریف کی احادیث کی شرح فرمائی ہے وہیں اپنے تجربات اور دیگر ممالک کے تعلیمی اداروں کا آنکھوں دیکھا حال بھی ذکر کیا ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اعلیٰ طریقہ تعلیم وہی ہے جسکے معلم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کتاب میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی معلومات، تفقہ اور محدثانہ اسلوب نمایاں ہے۔ برادرم مکرم حضرت مولانا ڈاکٹر احسان الرحمٰن عثمانی صاحب کا وقیع مقدمہ اور تعارف کتاب کے ماتھے پر جھومر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کتابت، طباعت اور کاغذ وغیرہ سب عمدہ ہیں، امید ہے کہ مفتی صاحب مدظلہ کی دیگر کتب کی طرح یہ بھی قبولیت ومقبولیت سے ہمکنار ہوگی (مبصر: مولانا راشد الحق سمیع، مدیر ''الحق'')

- **تذکرہ علمائے اکوڑہ خٹک** مولف: مولانا سید مقسط علی شاہ بخاری

ضخامت: ۱۸۰صفحات ناشر: دارالتصنیف جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک

کئی صدیوں سے اکوڑہ خٹک علم وادب کا مرکز رہا ہے، اس مردم خیز علاقہ میں کئی اولیاء اللہ مشائخ، ادباء، مصنفین اور دیگر شعبوں سے متعلق حضرات پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے فن اور شعبہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ،ضرورت اس امر کی تھی کہ انہی ماہرین علم وفن کے حالات، واقعات، علمی ،ادبی اور تصنیفی خدمات کا جامع تذکرہ لکھا جائے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا سید مقسط علی شاہ بخاری صاحب کو جنہوں نے ''تذکرہ علمائے اکوڑہ خٹک'' لکھ کر اس اہم ضرورت کو پورا کیا، مولانا بخاری ایک علمی وروحانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، دروس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ جامعہ مہربانیہ احمد آباد ضلع نوشہرہ کے مہتمم اور ماہنامہ ''المہربان'' کے مدیر اعلیٰ اور کئی کتابوں کے مصنف ومؤلف بھی ہیں، مولانا سید مقسط علی شاہ بخاری نے زیرتبصرہ کتاب میں سو سے زائد علمائے کرام، اولیائے کرام اور مشائخ عظام کے احوال ذکر کئے ہیں، یہ کتاب صرف اکوڑہ خٹک کے تعلیم یافتہ حضرات کے لئے نہیں بلکہ جامعہ حقانیہ، جامعہ اسلامیہ کے فیض یافتگان اور تاریخ سے شغف رکھنے والوں کے لئے بھی خاصے کی چیز ہے۔ (مبصر: مولانا حبیب اللہ حقانی)

- **اکابر کا شوق علم وذوق مطالعہ** مولف: مولانا محمد الرحمٰن انور

ضخامت: ۹۰صفحات ناشر: مکتبہ دارالسلام گندف، ضلع ہری پور، القاسم اکیڈمی نوشہرہ03013019928

مطالعہ کتب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے، جس سے جہاں علم وتحقیق کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں وہیں انسان کامیابی کی راہ بھی پالیتا ہے، مولانا محمد الرحمٰن انور صاحب جید عالم دین، شفیق استاد اور جامع مسجد صدیق اکبر گندف ضلع ہری پور کے خطیب بھی ہیں اور علم ومطالعہ کے شناور بھی ہیں، القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ کے رکن رکین اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کے منظورِ نظر بھی ہیں، حضرت الاستاد مولانا حقانی مدظلہ سے ربط وتعلق کی بناء پر ماشاء اللہ مولف ومصنف بھی بن گئے ہیں، اس سے قبل بھی آپ کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ زیرتبصرہ کتاب ''اکابر کا شوق علم وذوق مطالعہ'' میں درجنوں کتابوں کے نچوڑ اور حاصل مطالعہ کو محفوظ کیا ہے، جس میں علمی نکات بھی ہیں اور سبق آموز خطابات وواقعات بھی ،علم ومطالعہ کا تذکرہ ہے تو تجربات ومشاہدات کا ذکر بھی ملتا ہے، غرض کتاب علماء وطلبہ اور خطباء کے لئے ایک خزینہ و گنجینہ مفید ہے۔ (مبصر: مولانا حبیب اللہ حقانی)